

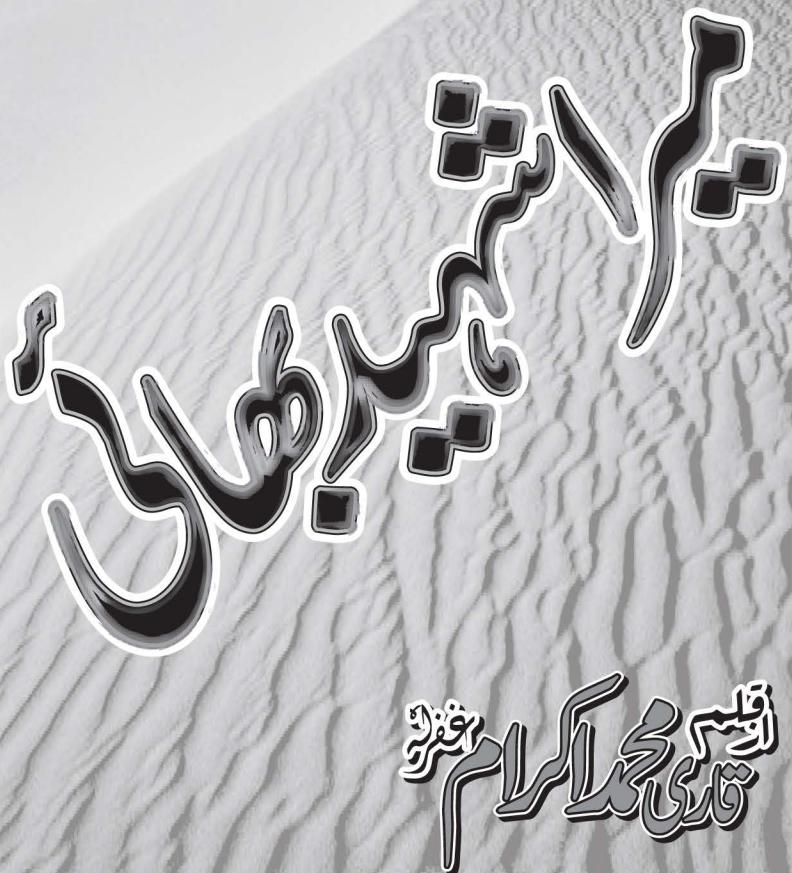
وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا  
آل عمران

# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اقتبس محمد كرام غفران  
قارئ

منجانب: مدرسة فيض القرآن، اوڈھروال (صلع جکوال)

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتُلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا  
آل عمران



من جانب: مدرسة فیض لقرآن، اوڈھروال (صلع چکوال)

## النسب واعتراف

- ☆ میں اپنی اس حقیری کاوش کو اپنے خالق و مالک رب و مولا اللہ تعالیٰ جل شانہ، جس کی شان بلند و بے حساب ہے، اس کے سوا کوئی معبد نہیں، کے نام معنوں کرتا ہوں اور اسی سے فیوض و برکات اور ہدایت کی روشنی طلب کرتا ہوں۔
- ☆ اپنے بہت ہی پیارے آقا مدفنی جو باعث تخلیق کائنات اور محبوب کبیر یا ہیں، جن کے وجود نے ہماری اس پیشانی کو پھرول کے بنائے ہوئے بتوں اور تمام مخلوق کے آگے جھکنے سے پچالیا۔ ایسے صاحب خلق عظیم، محسن انسانیت کے نام، جن کا نام نامی محمد مصطفیٰ، احمد مجتبی ﷺ ہے۔
- ☆ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام جنہوں نے اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم کے مطابق اور پیارے نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق گزاریں اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنا گھر بار، جان، مال اور اولاد کو قربان کر کے دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا نور بکھیر اور پورے عالم کو اسلام کے نور سے روشن کر دیا۔
- ☆ جملہ بزرگانِ دین کے نام، جو حضور ﷺ کی حیات طیبہ کو سینہ بسیہ، گھر گھر اور در بدر پھر پھر کر پہنچاتے رہے۔ بالخصوص اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا محمد عزیز الرحمن ہزاروی دامت فیوضہم خلیفہ مجاز برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کاندھلوی، جنہوں نے اس سر اپا گنہگار کا جسمانی اور روحانی علاج کیا اور خصوصی شفقت و مہربانی فرماتے ہوئے اس حقیر پر تقصیر کو ایسا بنا دیا جیسا کہ لوگوں کی نگاہ میں ہے۔
- ☆ اپنی پیاری مشفقت ماں کے نام کرتا ہوں، جنہوں نے میرے جنم دن سے لے کر آج تک میری تربیت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، اپنی بساط کے مطابق، میری ہر ضرورت کا خیال رکھا اور ہم سب بھائیوں کے حفظ قرآن کی تکمیل کے لئے دعا گور ہیں۔
- ☆ اور میں اپنے پیارے مشفقت باپ (صوفی) فضل محمد صاحب دامت برکاتہم کے نام، جو مخت و مزدوری کر کے ہم سب بہن بھائیوں کی ضروریات کا خیال رکھتے، جو پہلے پہل تو بہت

## میرا شہید بھائی

خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے، لیکن زندگی کے مسائل گوناگوں اور افکارِ زمانہ نے انہیں سخت سنجیدگی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ بے چارے حقیقتوں کے تلخ جام پی کر اب بھی مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔

☆ حضرت استاذی المکرم مولانا محمد شفیق صاحب دامت برکاتہم، مولانا محمد عقیق صاحب مدظلہما کے نام جن کی بہت افزائی، حوصلہ افزائی اور توجہات سے یہ خدمت انجام پاری ہے۔  
 ☆ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا غلام مرتضی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، استاد الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد معاذ صاحب مدظلہ (دارالعلوم حنفیہ چکوال) اور اپنے بہت ہی پیارے مشفق و مہربان، دوست بھائی حضرت مولانا محمد عبدالعمر صاحب زید مجده کے نام جنہوں نے اپنے انتہائی ہی تیقینی اوقات میں سے وقت نکال کر مجھے جیسے جہل و اجہل کی حقیر سی کاوش کو بالاستیعاب ملاحظہ فرما کر بہت افزاںی و حوصلہ افزائی اور اس کی نوک پلک درست کر کے ایک ایک لفظ اور تمام مندرجات کی حتی المقدور دیکھ بھال کر کے ایسی تکمیل کو پہنچایا جو کہ آپ کے سامنے ہے۔

☆ اپنے پیارے بہن بھائیوں کے نام۔ اور میں انتہائی قدر دان ہوں ظفر محمود ملک صاحب حفظہ کا، جن کے اخلاص کی بدولت یہ مضمون خوبصورت انداز سے کمپوز ہو کر آپ تک پہنچا۔

اللہ تعالیٰ بھائی عمر فاروق شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاکیزہ جذبات اور اس کے اس مقدس مشن شہادت کو قبول فرمایا کہ اس کو اخروی انعامات سے ملا مال فرمائے اور اپنی رضا نصیب فرمائے۔ اور اللہ رب العزت میری تمام غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمایا کہ اس حقیری کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے دعوت جہاد کا ذریعہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہم سب کے لئے نافع بنائے اور جہاد بالقلم کے زمرے میں قبول فرمائے۔

آمین یا رب الشهداء و المجاهدین۔

## تقدیم و تقدیر اول

مولانا محمد عبدالعزیز صاحب ولادت برکات

خطیب جامع مسجد گلشن صدیق اکبر چکوال

یہ کارخانہ عالم اور اس کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عظیم کاریگری کا انوکھا شاہکار ہے اور اس کی ادنی سے لے کر اعلیٰ ہر چیز بے کاری سے منزہ اور پاک ہے۔ ہر ایک چیز کا مقصد ہے جو عند اللہ متعین ہے اور مخلوق کی نظر نارسا وہاں تک رسائی سے قاصر ہے۔ اور قدرت خداوندی کی ہر ایک صنعت غور و فکر کی طرف داعی و باعث تشکر و اقتضان باری ہے۔ اور یہ شاہکار قدرت اتنا واضح تر ہے کہ اس کا نظارہ ہر خاص و عام کی درستس میں رکھ دیا گیا ہے۔ اور پریخچے، دائیں بائیں اور آگے پیچھے لاکھوں شاہکار قدرت ہمہ وقت خدا کی کبریائی و یکتاں کو یاد دلاتے اور ہمہ وقت اپنی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر کسی کو توفیق ایمان و توفیق عمل میسر نہ آسکے تو یہ اس کی بہت بڑی حماقت و بغاوت ہے۔

## شہید لاٹبری

اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان گنت پھیلی ہوئی آیات اللہ کے ساتھ ساتھ رجال اللہ (یعنی انبیاء علیہم السلام) کی بعثت فرما کر بندوں کے اعذار (عذر) کے ابواب کو بند کر کے رکھ دیا ہے۔ اور ان رجال کی پیروی ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ضروری قرار دے دی اور اپنی رضا کی سند عالیٰ کا الحاق بھی انہی کی اتباع کے ساتھ مشروط قرار دے دیا ہے۔ لہذا انبیاء علیہم السلام کی شب و روز کی بھرپور مسائی کے بعد دو جماعتیں وجود میں آئیں۔ ایک تبعین اور دوسرا ملکہ میں۔ جماعت ثانیہ نہ صرف یہ کہ ایمان لانے سے رکی اور بکنڈیب رسیل کے مرتب ہوئی بلکہ اس نے دوسروں کو بھی ایمان قبول کرنے سے روکا اور ان پر مظالم توڑے اور خاص کر اہل ایمان کو مشق ستم بنایا۔ اس ظلم و ستم کی داستان خاصی طویل ہے، جس کو کتب سماویہ نے عموماً اور قرآن مجید نے خصوصاً بیان فرمایا ہے جس پر کسی قسم کی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہر عروج کو زوال تو ہے ہی، آخر ان ستائے ہوئے مظلوم و مقهور لوگوں کی آہ کی پتکھاڑ افلاک کو چیرتی ہوئی عرش پر پہنچی اور وہاں سے اجابت ہوئی تو چند ہی ساعتوں میں ظالم اور جابر اپنے تمام تر ظلم و جور کے ساتھ قصہ پارینہ بن کر رہ گئے۔

نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی بعثت مبارکہ سے قبل قبل سلسلہ ایسے ہی چلتا رہا کہ مکنہ بین کی تکنذیب، ہٹ دھرنی اور ظلم و ستم جب حد سے بڑھتا تو خدائی کوڑا برستا اور جھاڑو کی طرح ہر ایک چیز کو صاف کر کے رکھ دیتا اور زمین ناپاک اور بخس لوگوں سے پاک ہو جاتی اور اس عذاب سے نجات پانے والے چند سو یا چند درجن افراد جو فتح جاتے وہی آئندہ آنے والی نسل کی اصل ٹھہرتے اور انہی سے نسل انسانی چلتی۔ لیکن بعد مرورِ زمانہ کے ان میں بھی جب وہی مستی عود کرتی اور خدا فراموشی اور آخرت سے بے گانہ پن کا دورہ پڑتا تو اپنے پیش روؤں کی طرح وہ بھی ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیتے جاتے، خس کم جہاں پاک۔

لیکن آپ ﷺ کے تشریف لے آنے کے بعد کفار کو ان جیسے عذابوں سے پکڑنا بند کر دیا گیا اور اس کے مقابل دوسری صورت عمل میں لائی گئی کہ اب قیامت تک کفر کے سراغنوں کو مجاہدین کے حوالہ کر دیا گیا کہ کافروں کی ٹھننی ناکیس اور تنی گرد نیں اب انہی مخلوقِ الحال غریب مومنین، مخلصین، مجاہدین کے ہاتھوں کٹوائی جائیں گی تو اس کے لئے اول تو صرف جہاد کی اجازت مرحمت فرمائی گئی اور بعد میں باقاعدہ حکم جہاد کے لاگو اور فرض ہونے کا بیسیوں نہیں سینکڑوں آیات میں اعلان بھی کر دیا گیا اور جہاد کی کلیات کو اس کی جزئیات سمیت پورے بسط سے بیان فرمادیا گیا۔ اس عمل سے غفلت برتنے اور پہلو ہتھی کرنے پر جا بجا و عیدیں لائی گئیں اور جہاد سے بیٹھ رہنے کے فتح عمل کو بہت ہی زیادہ ناپسند کیا گیا۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ایمان کے بعد کسی عمل کو اگر اللہ تعالیٰ نے زیادہ اہمیت دے کر اگر بیان فرمایا ہے تو وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کا عمل ہے۔ پورے قرآن مجید میں جہاد کی ذہن سازی موجود ہے۔

جہاد کی اسی عظمت و رفتت کی وجہ سے مومنین نے اس عمل کو اپنی زندگیوں کا مقصد بنایا اور عملی زندگیوں میں اس طرح دخیل کیا کہ اس عمل پر دل و جان سے ثار ہو کر گرگرد نیں کشادیں۔ اور ایک مشکل ترین امر کو لذت کی چیز بنا کر رکھ دیا کہ پروانوں کی طرح اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے غلبہ دین کے لئے اپنی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے اور یہ سلسلہِ رسم و فاقیامت تک جاری رہے گا۔ نہ جانے ان کے عظیم و برتر برب نے اس رنگارنگ دنیا سے ہٹ کر اس خشک دنیا میں کس کس

غیبی لذت کا ان کو مشاہدہ کرایا ہے کہ یہ ساری دنیا اور اس کی زیب و زینت ان کو ایک گندگی کا ڈھیر معلوم ہوتی ہے۔

بھائی عمر فاروق شہید بھی انہی چند گنے پنے قدسی صفت انسانوں میں سے ایک تھا، جس کی قلیل ترین عرصہ اسلام اور غلبہ اسلام کے لئے تھی۔ اس کو جب جہاد کی روشنی پہنچی تو اس کے انگ انگ میں سر ایتیت کر گئی تھی اور مشک و عنبر کی طرح اس کے جسم سے پھوٹی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اس کچھی عمر میں جہاد کا اتنا پختہ رنگ بندہ نے آج تک کسی میں نہیں دیکھا۔ اسی لئے جب وہ اپنی معصوم زبان سے جہاد کی سادہ لفظوں میں دعوت دیتا تھا تو اس کا جسم اس طرح تن جاتا تھا کہ گویا وہ محاذ جنگ پر کھڑا سب کو پکار رہا ہوا اس کے منہ سے لفظوں کی مالا جب لگاتار گرتی تو محسوس ہوتا تھا کہ اس کا دل بھی لفظوں کے ساتھ ہی باہر آگرے گا۔ اس کے ساتھ تھوڑی سی نشست اس قدر مؤثر اور پائیدار ہوتی تھی کہ اس کی مٹھاس مہینوں محسوس کی جاتی اور اس کی باتیں تو زندگی بھر بھولنے والی نہیں۔ جہادی زندگی کے پختہ شہسواروں کی طرح اس کی متعار حیات کا ایک ایک پل تحریک جہاد کے لئے وقف تھا اور یہ فکر اس پر اس قدر غالب تھی کہ بات کوئی بھی ہو رہی ہوتی، نشست کیسی بھی ہوتی لیکن اس کی آخری تانت جہاد پر ہی ٹوٹی تھی۔ بالآخر اللہ کو اس کی کچھی اور معصوم ادائیں پسند آگئیں اور اس کو اس گندی دنیا سے نکال کر ان لوگوں کے ساتھ ملا دیا جن کو مردہ سمجھنے کا گمان بھی حرام قرار دے دیا۔

اللَّهُمَّ تَقْبِلْ مِنْهُ هَذَا الْعَمَلُ الصَّالِحُ وَ عَامِلْهُ مُعَالِمَةٌ

الْمُجَاهِدِينَ الْمُخْلَصِينَ بِإِدْخَالِ النَّعِيمِ۔

طویل ایام سے بندہ کی خواہش تھی کہ شہید کے حالات وقیعہ اور حیات قلیلہ کو زیر قلم لاایا جائے تاکہ اس کا مشن مردہ نہ ہونے پائے اور اس کے چلنے جانے کے بعد اس کی عظیم فکر مانندہ پڑ جائے لیکن اپنی گوناگوں تعلیمی و تدریسی مصروفیتوں کے سبب اس کا عملی جامد نہ پہنایا جاسکا، جس پر افسوس کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ہر کام میں حکمت خداوندی جلوہ گر ہوتی ہے اور اپنا رنگ دکھاتی ہے کہ یہی خیال

اللہ تعالیٰ نے برادرم جناب قاری محمد اکرم صاحب کے دل میں ڈال کر اس قدر پیوست کر دیا کہ ان کو قلم اٹھائے بن چاہرہ نہ تھا اور بالآخر انہوں نے یہ معزکہ سر کر ہی لیا اور یہ بات بہت ہی زیادہ مسرت کا باعث ہوئی۔ کیونکہ موصوف شہید کے برادر حقیقی ہیں اور یہ ضرب المش بھی ہے کہ صاحب الدار اعلم مانی الدار۔ قاری صاحب ماشاء اللہ ایک زندہ دل انسان، کاش دار اور رواں قلم کے مالک ہیں۔ انہوں نے جب مسودہ از روئے احسان مجھے دکھایا تو میں بہت ہی محظوظ ہوا۔ موصوف چونکہ ظرافت طبعی و لطافت لسانیہ سے بھی مالا مال ہیں، اس لئے ان کی اس تحریر میں یہ رنگ بھی نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ ظرافت کی زبان سے غم غلط کرنے کا جو گر قاری صاحب کو معلوم ہے، وہ انہی کا حصہ ہے۔ بہرحال آپ کی پہلی کوشش ہر لحاظ سے قابل صد ستائش ہے۔

اللّٰہُمَّ بَاعْدِهِ عَنْ عَيْنِ الْفَاحِشِ۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شہید کے مشن کو سمجھنے کا ذریعہ بناتے ہوئے اس کو مصنف کے لئے صدقہ جاریہ بنادیں، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُمَّ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰى عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ مُحَمَّدٍ  
وَعَلٰى إِلٰهٍ وَصَاحِبِهِ أَجْمَعِينَ - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

اہلس فہرست

(حال) خطیب جامع مسجد گلشن صدیق اکبر چکوال

13 جمادی الثانیہ 1428ھ، یوم الجمعہ، بوقت اٹھی

## تقریظ دوم

شیخ الصدیق حضرت مولانا غلام رضا صاحب والمشہد برکاتہم العالیہ  
دارالعلوم حنفیہ چکوال

بھائی قاری محمد اکرام صاحب کا ایک خوبصورت انداز میں لکھا ہوا رسالہ (میرا شہید بھائی، جس میں انہوں نے اپنے بھائی عمر فاروق شہید کی داستان جہاد و شہادت بیان کی ہے) تصحیح کے لئے بندہ کو دیا گیا۔ اپنی سمجھ کے مطابق چند ایک مقام پر تصحیح کر دی اور تقریظ کے لئے عرض کی کہ کسی بڑے بزرگ سے لکھوائی جائے، مگر بعد از اصرار چند کلمات لکھ رہا ہوں۔

عزیز عمر فاروق کا ولولہ، والدین سے اجازت کا انداز، ذکر و تلاوت قرآن پاک کا معمول اور اپنے مقصد شہادت کے واسطے ترپ اور دعائیں، یہ تمام چیزیں بتاتی ہیں کہ اس دین متین کی اللہ نے خونِ شہداء سے کس طرح آبیاری کرائی ہے۔ بتنا زور مغربِ اسلام کو مٹانے کے لئے لگا رہا ہے، اس سے کئی گناہ زیادہ اللہ تعالیٰ نے دین متین کی حفاظت کے لئے ایسے دیوانے و متنے پیدا فرما دیئے جو اپنی جانوں کو اپنی ہتھیلوں پر رکھ کر کفر کے ساتھ گلرانے کے واسطے بے تاب ہو جاتے ہیں۔ عزیز عمر فاروقؒ کی شہادت اور جہاد کا جذبہ دیکھ کر بندہ کو اپنا بھانجہ محمد زیر شہید اور بھائی عبدالرؤف شہید اور ہزاروں وہ شہداء جو اس لیلائے شہادت کی تلاش میں افغانستان و کشمیر کے سیکھان پہاڑوں اور ہزاروں میٹر بلند و بالا چوٹیوں کو عبور کر کے اپنے عظیم مقصد کو پا گئے، وہ ایک ایک کر کے یاد آنے لگے۔ خدا رحمت کندا اس عاشقان پاک طینت را۔

محبہ عمر فاروق شہید کا خون انشاء اللہ درگ لائے گا، مگر شاید ابھی اور بھی شہادتیں انقلاب کے لئے درکار ہیں کہ خون صد ہزار انجمن سے ہوتی ہے سحر پیدا۔  
وہ والدین کس قدر خوش نصیب ہیں کہ قیامت کے دن ان کو شہید کے والد اور والدہ کہہ کر پکارا جائے گا۔

مغرب کو آج بھی صرف جہاد سے خطرہ ہے، نہ کہ ہماری نمازوں اور روزوں سے اور انشاء اللہ جہاد تو قیامت تک جاری رہے گا۔ اور یہ رزم حق و باطل بھی۔

آخر میں کبیر احمد کا شیری کی نظر کا ایک مختصر سا حصہ ذکر کرتا ہوں:

مغرب کو ادھر یاد ہے تکبیر ہماری  
 مشرق کو ادھر یاد ہے شمشیر ہماری  
 عالم ہے غلامان محمد کی وراثت  
 لوگ سے ثابت ہے یہ جاگیر ہماری  
 جو پنجہ باطل سے مٹی ہے نہ مٹے کی  
 وہ لوح حقیقت میں ہے تصویر ہماری  
 ناموسِ شرافت کو ضیا بخشی ہے ہم نے  
 ہر زرہِ ہستی میں ہے تشویر ہماری  
 کہتے ہیں جسے سرخیِ مضمون شجاعت  
 اس خونِ مقدس سے ہے تعبیر ہماری  
 بدلتے گی شہید کو رُتی کو نگاہی، ہرگز  
 اے چشمِ چوڑہ کو رعد و چوال دیکھنا، تقدیر ہماری

### تقریط سوم

استاد الحدیث مولانا مفتی محمد معاذ صاحب ولیٹ برکانیع (العالیہ

دارالعلوم حنفیہ چوال

حامداً و مصلیاً و مسلماً، اما بعد

کائنات کا سارا نظام غصر محبت کے تحت چل رہا ہے۔ اگر یہ عضر ختم ہو جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ جو شخص بلکہ کائنات کی کوئی چیز بھی جس کام میں لگی ہوئی ہے، اس میں ضرور کہیں نہ کہیں محبت و کشش کا پہلو ضرور نکلے گا۔

دل بحر محبت ہے، محبت یہ کرے گا لاکھ اس کو چاہتا، یہ کسی پر تو مرے گا پھر سے ہو، خدا سے ہو یا پھر کسی سے ہو محبت کے بغیر ہرگز نہ جائے گا پھر کائنات چونکہ فانی ہے، اس لئے اس میں پائی جانے والی محبت کی تمام صورتیں بھی عارضی اور فانی ہیں۔ صرف ایک ذات خدا تعالیٰ ہے جو دائیٰ ہے، لہذا اس سے محبت بھی دائیٰ کی جاسکتی ہے، جس میں فداء کا کوئی خطرہ نہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ تمام محبتیں میں اصلی و حقیقی محبت اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے۔ جس کو یہ نعمت حاصل ہو گئی، اس کو دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی مل گئی۔ اور جو اس سے محروم رہا، وہ ہمیشہ کے لئے ناکام ہو گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے قرآن کریم میں اس راز کو ذکر فرمایا کہ تمہیں آگاہ کیا ہے:

قُلْ إِنَّ كَانَ أَبَائُكُمْ وَأَبْنَائُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَ

عَشِيرَاتُكُمْ وَأَمْوَالُنِّيْنِ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةً تَحْشِيْنَ كَسَادَهَا

وَمَسَاكِنُ تُرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ

فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ (سورۃ التوبہ)

یعنی اے محمدؐ آپ فرمادیجیے کہ اگر تمہارے والدین، تمہاری اولاد، تمہارے

بہن بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا قبیلہ، تمہارا مال و دولت، تمہاری محبوب تجارتیں

## میرا شہید بھائی

اور تمہارے پسندیدہ مکانات و محلات، تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر (اللہ تعالیٰ کی نار انگکی وعذاب کا) انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔

اس آیتہ مبارکہ میں تین محبتیں ذکر کی ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ کی محبت، ۲۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت، ۳۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت، جو حقیقت میں ایک ہی ذات پاک کی محبت کے مختلف رُخ اور پہلو ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی محبت ہے کہ وہ امت کو اللہ تعالیٰ سے ملانے والے ہیں۔ لہذا دونوں محبتیوں کا مجموعہ ایک ہی نکلا۔

اور جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی انتہاء اور اس میں فنا بیت کا ہی اک انداز ہے۔ بس یہی جذبہ فنا بیت ہے جو مسلمان کے دل کو گرماتا ہے۔ شہری سہولیات اور عیش و عشرت کی زندگی کو لات مار کر بیپاڑوں، جنگلوں میں اس کو مزہ آتا ہے۔ گولے اور بہوں کی جھکار اس کو کسی جنتی حور کا رقص معلوم ہوتا ہے۔ بالآخر گوشت پوسٹ کے پنجھرے کو پھینک کر اپنے محبوب حقیقی سے ایسے جاتا ہے، جیسے کسی خوش نصیب پر ندے کا پنجھرہ ٹوٹ جائے اور وہ ہٹھر کر کے اٹا جائے۔

اے مرغ سحرِ عشقِ ز پوانہ میا موز  
کاں سوختہ رایا جاں و آواز نیا مد  
اے صبح کے پرندے عشق بازی کرنی ہے تو پرانے سے سیکھ کہ جان جلا کر بھی آواز  
نہیں نکالتا۔

یہی جذبہ وصلِ محبوب، یہی شوق ملاقات بھائی عمر فاروق شہید کو بھی مامتا کی محبت، بہن بھائیوں کا انس، شفیق والد کا سایہ اور راحت کی زندگی چھڑوا کر بیپاڑوں میں لے گیا اور لیتی شہادت سے پا عقد کر دیا، جس کے بعد بھی طلاق کی نوبت آئے گی نہ جھگڑے و ناچاقی کی۔  
اللہ کریم ان کی شہادتِ عظیمی کو اپنی رحمت سے قبول فرمائے اور ہماری بزدلی و کمزوری کو بہادری اور قوت سے بدل دے۔

زیر نظر رسالہ ”میرا شہید بھائی“ کو بندہ نے مکمل پڑھا۔ اس میں جہاں شہید بھائی کے اوصاف حمیدہ کا ذکر ہے، وہاں مصنف صاحب کے جذبہ جہاد کی ترجمانی بھی ہوتی ہے۔ اللہ کریم

مصنف صاحب محترم جناب قاری محمد اکرم صاحب کو جزاعِ خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس تحریر کے ذریعہ را جہاد میں حصہ ڈال دیا اور بندہ کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دے دی۔

جزاہ اللہ عنی خیر الجزاء

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ وَعَلَى إِلَهٍ وَصَاحِبِهِ  
أَجْمَعِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

فقط (والسلام)



## میرا شہید بھائی

رمضان المبارک کے دن تھے۔ میں دل بجے کے قریب درس گاہ میں بیٹھا پڑھا رہا تھا۔ گھر الوالوں نے مطلع کیا کہ آپ کا فون ہے، کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔ درس گاہ سے اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ چنانچہ جی کڑا کر کے اٹھا، پاؤں میں جوتے ڈالے اور قریباً دوڑتا ہوا ٹیکی فون تک جا پہنچا۔ گھنٹی دوسرا بار مسلسل نجح رہی تھی۔ میں نے رسیور کاں سے لگایا اور پر سکون آواز میں کہا:

”السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ! محمد اکرام بات کر رہا ہوں۔“

”وعليکم السلام ورحمة الله وبركاته۔“

”جی فرمائیے!“، میں نے زم آواز میں پوچھا۔

”اچھا تو اب فرمانا بھی پڑے گا“، دوسرا طرف سے چھکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”میں اسداللہ بول رہا ہوں“، میں نے بات کرنے والے کو نہیں پہچانا تھا۔ وہ نہایت ہی بے تکلفی سے بول رہا تھا۔ لیکن آواز پچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی، البتہ اسداللہ نام کا میرا کوئی دوست تھا نہ کسی ایسے نام والے سے شناسائی تھی۔ میں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ لیکن جیسے ہی اس نے اگلا جملہ کہا تو مجھے ہوشیار ہونا پڑا، بات ہی پچھا ایسی تھی۔ اس نے کہا: ”میں آپ کا گم شدہ چھوٹا بھائی ہوں، عمر فاروق۔ اسداللہ میرا کوڈ ہے۔ گم شدہ میں نے اس لئے کہا کہ مجھے ابھی ابھی امیر صاحب (یعنی جہادی کمانڈر صاحب) نے بتایا ہے کہ آپ اور مولانا محمد عقیق صاحبؒ (دامت برکاتہم) منڈی بہاؤ الدین شہر میں مجھے تلاش کرتے رہے، جب کہ میری تشکیل امیر صاحب نے منڈی کے مضافات میں کی ہوئی تھی۔ آج ہی میری واپسی ہوئی تو انہوں نے آپ حضرات کے متعلق مطلع کیا، تو میں نے فوراً آپ کے ارسال کردہ نمبر پر رابطہ کر لیا۔“

☆ مراد ماکان مکان ہیں، یعنی حاجی محمد رمضان صاحب، جن کے مکانات کے ایک حصہ میں میری درس گاہ واقع ہے جو عرصہ دس سال سے قائم ہے اور اب تک الحمد للہ بندہ کے ہاں پچیس طبائے کرام حفظ قرآن کی جبکہ سینکڑوں طلباء ناظر قرآن کریم کی تکمیل کر پچکی ہیں۔ اللہ کریم اس شرف کو قبول فرمایا کر میری اور اہل مدرسے کے لئے اس سعادت کو ذریعہ نجات بنا دیں اور اس قائم درس گاہ کو دائم فرمادیں، آمین۔☆

عہ مقتدم جامعہ تدریس القرآن، متصل چوکی تملہ نگر روڈ شہر پکوال

میں نے کہا: ”بندہ خدا! یہ تم نے کیا مزاح کیا ہے، ہم سب گھروالوں سے؟ کم از کم افغانستان سے واپسی پر اپنے گھر سے ایک چکر لگا جاتے، نہیں تو فون پر اطلاع ہی دے دیتے۔ گھر والوں کا پریشان ہو ہو کر برا حال ہو گیا ہے“۔ اس نے کہا: ”محجوری تھی اور امیر صاحب کا یہی حکم تھا۔ رہ گئی فون پر مطلع کرنے کی بات تو آپ کا نمبر مجھ سے افغانستان میں ہی گم ہو گیا تھا“۔

میں نے کہا: ”یہ تمہاری آواز کمزور کمزور سی کیوں لگ رہی ہے؟ خیریت تو ہے، ٹھیک تو ہو نا“؟ کہنے لگا: ”فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں محمد اللہ بالکل ٹھیک ہوں“۔ اور اس نے کہا کہ میں نے وہ رقم وصول کر لی ہے جو آپ میرے جیب خرچ کے لئے دے کر آئے تھے۔ اس کا بہت بہت شکریہ۔ میں نے کہا: ”شکریہ کس بات کا؟ ان کو استعمال میں لاو۔ دودھ اور پھل وغیرہ لے کر کھایا کرو“۔ وہ آگے سے کہنے لگا: ”بھائی جان! جی تو میرا بھی بہت کرتا ہے، کچھ کھاؤں پیوں، لیکن پھر یہ سوچ کر رک جاتا ہوں کہ دیکھنے والے لوگ کہیں گے کہ یہ مجاہد فڈ کے پیسوں پر عیاشی کر رہے ہیں۔ میری وجہ سے جماعت پر حرف آئے یادنام ہو، مجھے یہ گوارا نہیں۔ اس لئے صبر کر لیتا ہوں۔ اور آپ ہی تو کہتے تھے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔“ میں نے کہا: ”اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ، گھر کب آؤ گے؟“ کہنے لگا: ”چند دنوں تک انشاء اللہ کام ختم ہو جائے گا، تو سیدھا گھر ہی آؤں گا اور عید الفطر گھر ہی مناؤں گا۔“

پھر کئی روز کے بعد ایک دن بوقت سہ پہر میرا عزیز بھائی اسد اللہ میرے سامنے کھڑا تھا۔ سانو لا چہرہ، ٹھوڑی کے نیچے سبزہ کا آغاز، سر پر سیاہ گلزاری، دراز زلفیں، ٹخنوں سے اوپر شلوار، اکھری جسامت، چہرے پر ممتاز و سنجیدگی۔ وہ مسکرا یا اور بے تاب گلے سے لگ گیا۔ میں نے کہا: ”عمر فاروق! یا تم ایک سال میں اتنے بدل گئے ہو؟“ میں نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔

غالباً ایک ہفتہ وہ گھر میں رہا۔ اس دوران اس کے بس دو ہی کام تھے۔ ایک تو اپنے خالق و مالک کی عبادت، فرائض و واجبات، تمام مسنون نوافل کا اہتمام، کبھی تلاوت کلام پاک اور کبھی ذکر

☆ یہ جملہ مجاہدین پر شب و روز طعنہ زنی کرنے والوں کے لئے بار بار پڑھنے کا ہے۔ شاید ان کی اصلاح کا سامان کر سکے کہ شیشہ کے محلات میں بیٹھ کر ان کی سوچ کی پرواز کہاں ہے اور صحیح مجاہد جو علماء حق کی قیادت میں سینہ پر ہے، اس کی سوچ کہاں تک ہے۔ بہت تقاضا اور راہ از کجا تا کجا۔

اللہ و درود شریف۔ دوسرے جہاد کی دعوت۔ اس کے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے یہی دو کام تھے۔  
یہ سب کچھ آج بھائی عمر فاروق شہید رحمۃ اللہ کی آڑیوکیست (جس میں اس کی گھر والوں  
کے لئے کچھ باتیں، کچھ نظمیں اور مختصر سا جہاد پر بیان ہے) سن کر یادوں کی طویل مالا ذہن نارسا پر  
مسلسل دراز ہوتی چلی گئی اور کچھ لکھنے پر آمادہ کرنے لگی۔ چنانچہ میں اٹھا اور اٹھ کر اپنی 2007ء کی  
ڈائری پر لکھنے لگا۔ ڈربھی رہا تھا کہ لکھنا تو آتا ہی نہیں۔ لیکن پھر یہ سوچ کر دل کو حوصلہ ہوا کہ یہ تو ذاتی  
ڈائری ہے، اس کو کون سا کسی نے دیکھنا ہے۔

اتفاق سے ایک دن یہ ڈائری محترم مولانا محمد عقیق صاحب زیدِ مقدم کے ہاتھ لگ گئی۔  
ورق پلٹت پلٹتے اس مندرجہ بالا مضمون پر آئے، جو اس وقت تک بندہ تقریباً مکمل کر پکا تھا، انہوں نے  
فرمایا: ”اس کو دستے پر صاف صاف لکھو!“ چنانچہ بندہ ایک دفعہ پھر اس کو لکھنے میں مکن ہو گیا۔

## جب اک مرد ہر نے انگریزی لی

یہ سات پرس قبل کی بات ہے، مجھے یاد پڑتا ہے، شدید گرمیوں کا موسم تھا۔ گندم کی کٹائی  
کے دن تھے۔ نویں جماعت کا ایک لڑکا جس کی عمر اس وقت 15 سال تھی، امتحان دے رہا تھا۔ بندہ  
جمرات کے روزگھر گیا تو نماز مغرب کے بعد مسجد سے میرے ساتھ ہی نکلا۔ کہنے لگا: ”بھائی جان!  
مجھے جہاد پر جانے کی اماں ابا سے اجازت دلوادیں، تاکہ میں امتحان دے کر اور گندم کی کٹائی کے فوراً  
بعد چلا جاؤں۔ اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے کہ آپ کو اس شدید گرمی میں گندم کی کٹائی والا کام بھی  
نہیں کرنا پڑے گا۔“ میں نے کہا: ”زیادہ مسکا (مصالحہ) لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کٹائی شکاری  
والا کام میں نے دیسے بھی کون سا کرنا ہے، یہ تو بھول جاؤ۔ باقی رہا اجازت کا معاملہ تو ابا جی کا کوئی  
مسئلہ نہیں ہے۔ ایک تو ہمارے والد صاحب دامت برکاتہم فوجی آدمی ہیں اور اس پر مستزد یہ کہ ان کا  
ایک اللہ والے سے محمد اللہ مصبوط اصلاحی تعلق بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ والد مختار ایک دینی فریضے  
میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔“

☆ ۱۔ آپ کا اصلاحی تعلق اولاً حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب رحمہ اللہ سے رہا جو محمد اللہ پختہ عالم دین  
اور مغبوط مناظر اہل سنت تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین حضرت مولانا ملک محمد اکرم  
(تفیہ بر صفحہ 16)

اگر تمہارا جذبہ صادق ہے تو اس جان کا ذہن بناؤ۔ ایک تو ان کو جہاد کے موضوع پر موسالا نا محمد مسعود اظہر صاحب کے بیانات کی کیٹھیں سناؤ، دوسرا ان کی خدمت کرو اور خدمت کرنے میں اعتدال رکھنا۔ کیونکہ ہمارے تجوید کے استاد فرمایا کرتے تھے:

مکتبہ عشق کے انداز نزالے دیکھے  
چھٹی اس کو نہ مل جس نے سبق یاد کیا

## حقائق و ظرائف

اس وقت تو مجھے بھی یہ شعر سمجھ نہیں آیا تھا۔ جب چند روز کے اچھی طرح سبق سنانے پر استاذی المکرم دامت برکاتہم نے ناظرہ کے مقامی بچوں کی کلاس میرے ذمہ کی اور جب ڈیڑھ ماہ کے بعد گھر کے لئے چھٹی لینے گیا تو اس وقت استاد صاحب نے کہا کہ اب تم مدرس ہو یعنی استاد بن گئے ہو، اس لئے تمہیں چھٹی نہیں مل سکتی۔ اس وقت مجھے اس شعر کی معرفت حاصل ہوئی۔ تیرا یہ کہ تم اپنی جان کی خوب تعریف کرنا شروع کر دو، کیونکہ تعریف سے آدمی بچوں جاتا ہے اور بچوں کر کپا ہو جاتا ہے، لیکن عورتیں اس میں دس قدم آگے ہوتی ہیں۔ میں خود تعریف سن کر خوش اور تقدیس کر رہم ہو جاتا ہوں۔ اس لئے تعریف سن کر جو لوگ خوش ہوتے ہیں ان کو ٹینشن نہیں لینی چاہیے اور پریشان بالکل نہ ہوں۔ خوش ہونے سے آپ کم از کم مسکرائیں گے بھی ضرور۔ مسکرانے سے کون سا کسی کو کچھ دینا پڑتا ہے، جو آپ کی جیب پر بھاری پڑے گا۔ لیکن اگر کسی سے مسکرا کر ملیں تو اس پر آپ کا کچھ خرچ نہ ہوگا، ہاں! آپ کے چہرے پر ایک دل کشی پیدا ہو جائے گی، جس سے دوسروں کے دل میں مسرت کی لہریں دوڑ جائیں گی۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو دوسروں کے متعلق نیک خواہشات اور نیک تمنائیں دل میں رکھیں۔ اس سے آپ کو بغیر کسی محنت اور خرچ کے وہ نور باطن نصیب ہوگا، جو آپ کے جسم خاکی کے ذرے ذرے کو چکا دے گا۔ جی..... ذرا مسکرا کر دکھائیے تو۔

(باقیا صفحہ 15)

اعوان (مدظہب) سے اصلاحی تعلق قائم کر لیا۔ خدا گواہ ہے، اکابر و شیوخ کے ساتھ مریدین و متعاقبین کے گھرے رابطہ کے واقعات کتابوں میں ہی پڑھتے تھے، لیکن آپ کا شیخ سے گھبرا رابطہ ماضی کے بیرون مریدوں کے گھرے تعلقات کی یادتاہ کر دیتا ہے۔

یہ تو ویسے بھی ہماری ضرورتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں ایک تو ہماری صحت بحال رہتی ہے، لیعنی آدمی تصور ہی تصور میں ہواوں میں اڑنے لگتا ہے، ورنہ غریب آدمی کو ہوائی جہاز کی سواری کہاں نصیب۔ جائز حد تک کسی کی تعریف کر دینا، وہ بھی ماں باپ کی، کچھ ناجائز بھی نہیں ہے۔ مسکرانے کو ویسے بھی حدیث شریف میں صدقہ کہا گیا ہے۔

اور مسکرانے سے خون خود کو شریانوں میں روائی رکھتا ہے۔ کسی وٹامن کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ بھی ایک قسم کا غریب کافاکدہ ہوا۔ ہم یقیناً نیکی کا ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں، لیکن معدترت کے ساتھ، کیا یہ ہمارا حق نہیں کہ ہم اللہ کے نیک بندوں سے تقاضا کریں۔ تقاضا نہ سہی، توقع اور امید ضرور کھیں کہ وہ ہماری تعریف کریں گے۔ عرفِ عام میں اس تعریف کرنے کو حوصلہ افرادی بھی کہتے ہیں اور کچھ من چلے اس کو ”مکھن لگانے“ سے بھی تعییر کرتے ہیں اور ہمارے ہاں اس کو ”مسکا لگانا“ بھی کہا جاتا ہے۔ اور کچھ لوگ اس کو ”پپ کرنا“ بھی کہتے ہیں..... جتنے منه اتنی باتیں۔ ہاں یہ بات یاد رہے کہ میں نے بھائی کو تعریف کے اتنے فضائل نہیں بتائے تھے، ورنہ وہ ضرور اس پر عش عش کرا اٹھتا۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ یہ تجاویز اس کے دل کو گئی تھیں یا نہیں اور میں نے مندرجہ بالا تجاویز اس لئے بتائی تھیں کہ میرے خیال میں یہ تھوڑے دنوں کا شوق ہو گا اور یہ شوق ٹریننگ و تربیت لیتے وقت ہی اتر جائے گا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مستقبل میں اس کا مشن اور فریضہ بن جائے گا۔

## اور جہاد کی کونپل نمودار ہوئی

اگلے دن صحیح ناشتہ کرنے کے لئے بیٹھے تھے تو اماں جان عمر فاروق کے متعلق پوچھ ہی رہتی تھیں کہ ایک آہٹ سنائی دی۔ دیکھا تو عمر فاروق دروازے سے داخل ہو رہا تھا۔ اماں جان نے اس کو مخاطب کر کے دریافت کیا: ”نماز فجر سے لے کر اب تک تم کہاں تھے؟“ اس نے کہا: ”میں ورزش کرنے لگیا تھا۔ بڑے بھائی کورات میں نے بتا دیا ہے کہ جہاد کی تربیت لینے میں نے جانا ہے۔ اس لئے میں نے ابھی سے تیاری شروع کر دی ہے۔“

عبداللہ بن عاصم نے کہا: ”تم کیا جہاد کرو گے؟ کبھی کہتے ہو میرے پیٹ میں درد ہے، کبھی پاؤں

اور کبھی سر میں۔ سما کے روگی ہو، (اس بے چارے کا پیٹ اکثر خراب رہتا تھا، اس لئے برادر صغری عبد الشکور سلمہ نے یہ طعنہ لگایا تھا)۔ اس نے کھا جانے والی نظر وہ سے اس کی طرف دیکھا اور والدہ صاحبہ کو کہا: ”اماں جان! عبد الشکور بھائی کو تمھاں میں، کہیں مجھ سے یہ دانت نہ تڑوا لے“۔

میں تو والپس اوڑھ رواں ڈیوٹی پر آ گیا۔ چند روز کے بعد وہ میرے پاس آیا تو بے حد خوش تھا۔ ملتے ہی کہنے لگا کہ میں نے اماں جان اور ابا جان سے تربیت لینے کی اجازت لے لی ہے۔ بندے کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کہنے لگا: ”اب میرا کسی ساتھی سے رابطہ کرادیں تاکہ میں جاسکوں“۔ میں نے کہا: ”تنی جلدی بھی کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”بھائی جان! میں نے سنا ہے کہ نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے اور مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ میرے جانے میں کوئی اور چیز کہیں رکاوٹ نہ بن جائے۔ میں نے اسے چکوال میں ایک مولانا صاحب سے ملوا دیا جو کہ اس وقت جماعت کی طرف سے ضلع چکوال کے امیر تھے۔ انہوں نے اسلام آباد مرکز میں اس کو بھجوادیا۔ وہاں سے وہ دوسرے دن چلا گیا۔

## شہید لاٹبریزی

### کبھی یوں بھی ہوتا ہے!

اس کے جانے کے کچھ دن بعد، بھائی عبد الشکور سلمہ نے باتوں باتوں میں کہا: ”کیا آپ کو معلوم ہے کہ عمر فاروق کے جانے کا سبب کیا بنا؟“ میں نے کہا: ”نہیں“۔ وہ کہنے لگا: ”ایک دن سے پہلے کوہم سب دوست کر کٹھیل رہے تھے۔ ہم سب نے پیٹنگ کر لی تھی، عمر فاروق نے پیٹنگ نہیں کی تھی۔ جب اس کا نمبر آیا تو حافظ عبد الرشید (اس وقت تک اس کا حفظ مکمل نہیں ہوا تھا) گھر کو جانے لگا۔ اس نے عبد الرشید کو کہا کہ میری باری دے کر جاؤ۔ کافی اصرار پر بھی وہ اڑا رہا اور باری دینے پر راضی نہ ہوا، تو عمر فاروق نے بلا (بیٹ) مار کر اس کا سر چھاڑ دیا۔ کسی لڑکے نے جا کر اباجی کو بتا دیا۔ اباجی آئے تو عمر فاروق صاحب تو قتی طور پر غائب ہو گئے۔ اباجی نے عبد الرشید کو شہر لے جا کر اس کوٹائے لگوائے اور گھر لے آئے۔ بعد میں وہ محمد اللہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔“ بقول عبد الشکور

☆ اب ایک دیہات میں امامت و تدریس کر رہا ہے۔ نہایت شریف الطبع اور خاموش انسان ہے، بالکل

اپنے ابا (بچا خادم حسین صاحب) کی طرح۔ اُنولڈ سِر لائیبِنیہ

## میرا شہید بھائی

کے ہم سب ڈر رہے تھے کہ ایک تو کرکٹ پر پاندی لگے گی، دوسرا پانی بھی ہوگی۔ اب اج گھر آئے تو ہم سب کو انہوں نے طلب کر لیا۔ بھلا ہوا م جان کا وہ اس دوران آگئیں تو معاملہ ڈاٹ ڈپٹ میں طے ہو گیا۔ کیونکہ اتنے عرصہ میں اب اج کا غصہ بھی کچھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ڈاٹنے وقت اب اج نے یہ بات کہی تھی، جو آج بھی مجھے یاد ہے، ”اگر سر پھاڑنے ہی ہیں تو جا کر کافروں کے پھاڑو۔ شرم آنی چاہیے تمہیں اپنے مسلمان بھائیوں پر غصہ نکالتے وقت“۔

بس اب اج کی بھی چھوٹی سی اور سادہ سی بات اس کے جہاد پر جانے کا سبب بنی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے بعد اس نے کرکٹ کھلینا بھی کم کر دیا تھا۔ حالانکہ اس واقعہ سے قبل اس کھیل کا بے حد دلدادہ تھا۔

ایک دن کہنے لگا: ”یہ میرا کرکٹ کھلینا بھی باعث اجر و ثواب ہے۔“ میں نے کہا: ”خدا کا خوف کرو! کیا بک رہے ہو؟“ کہنے لگا: ”بک نہیں رہا، یہ فرمارہا ہوں کہ اب میرا کرکٹ کھلینا بھی کاروٰثاب ہے۔ میں نے اپنے استاذی المکرّم اسے سنایا ہے کہ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْبَيْنَاتِ

”تمام اعمال کا دار و مدار نبیوں پر ہے۔“

میں اب کرکٹ اس نیت سے کھلیتا ہوں کہ سب ساتھیوں کو دعوت جہاد دوں گا اور الحمد للہ اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ جب بھی مجھے موقع ملتا ہے، میں اس کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔

میں بتا رہا تھا کہ وہ چلا گیا، پھر ایک سال بعد اس کی واپسی ہوئی، جس کا ذکر شروع میں ہو چکا ہے۔ ہفتہ بھر گھر میں رہ کر وہ واپس اپنے مشن کی طرف لوٹ گیا۔ اور تقریباً دو ماہ بعد خط ملا، وہ یہ تھا:

## مجاہد بھائی کا پہلا خط

واجب الاحترام محترم و مکرم اباہی!

السلام عليکم ورحمة الله وبرکاته

### آداب

سب سے برلنے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں اور اس کے بعد رسول ﷺ پر درود بریجتا ہوں کہ اللہ نے مجرم ایسی جگہ لا کرٹا کیا ہے، جس جگہ پر نبی، صحابہ کرام اور بزرگ فتنیان اس راستے کے لئے تشریتی رہیں۔ اور انہوں نے پرسر یہ کام کر دکھایا اور کامیاب ہو گئے۔ اسی طبع اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجرم بھی استقامت و توفیون بخنسی، کیونکہ میں ناکارہ اکثر دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجرم استقامت بخنسی اور اس کے ساتھ مجرم امید ہے کہ آپ سب بھی میرے لئے دعا فرمائیں گے۔

میں کابل میں 23 نادیخ کو برخیج گیا تھا۔ واللہ اعلم آپ بھی خیریت سے ہوں گے یا نہیں۔ سب برائیوں کو سلام عرض اور امام جان کو بہتر بہت سلام۔ اور درخواست ہے کابل کے معسکر میں ملیسا کی وجہ بریلی ہوتی ہے۔ ہر کلاس میں روزانہ جمار یانچ ساتھی روزانہ بیمار ہوتے ہیں۔ ان مریضوں کی صحت کے لئے خصوصی دعاء فرمائیں اور الحمد لله میں بالکل خیریت سے ہوں۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور میرے لئے ڈیڑھ دو سو روپے برجوادیں۔ اور سب دوست احباب کو سلام

والسلام آپ کا مخلاص

عمر فاروق چکوالی

اس کے جواب کی اباجان نے بھائی عبدالشکور کی ڈیوبٹی لگائی۔ اس نے جواب لکھ کر بعد 800 روپیہ ضلعی امیر صاحب کو دے دیا۔ انہوں نے بھائی تک کسی ذریعہ سے بخواہیا۔

☆ آپ نے بھرپور عسکری تربیت "حرکت الجہاد الاسلامی العالمي" سے لی، جو جہاد کی سب سے پہلا تنظیم

پچھے عرصہ بعد بھائی عمر فاروق کا ایک اور خط ملا، جو مندرجہ ذیل ہے:

## والدہ مکرمہ کے نام خط

محترمہ و مکرمہ بیماری امان جان مد ظلّہا

السلام و علیکم و رحمة الله و برکاتہ

اس کے بعد آداب عرض ہے کہ میں بالکل صحت مند ہوں۔ امید ہے

آب بھی خیریت سے ہوں گی۔ اور بہن بھائی اور والد صاحب بھی

خیریت سے ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو عزت امان میں رکرے

(آمین)۔ میں اپنے کام کی طرف روان دوان ہوں۔ یہیسان ہونے کی

بالکل ضرورت نہیں ہے۔ باقی تھارے لئے خوب دعائیں کرنا تاکہ اللہ

تعالیٰ ہمیں شہادت عظیٰ نصیب فرمائے۔ تا کہ میں بھی آب کا شرید

بیٹا بن سکوں اور شرید بھائی بن سکوں۔

جنائے بھریا ہے آگے بڑھا رے مجرمے

رین بے سر سڑکوں پر دعا رے مجرمے

توڑ دینا میرا افسر کر گونا اے امان!

دیکھ کر میری لاش نہ رونا اے امان!

بیماری مان مجھے کو تیری دعا جائیں

جب شہادت ملے مجھ کو اسلام بے اور کیا جائیں

آسون سے نہ رامن بر گونا اے امان!

دیکھ کر میری لاش نہ رونا اے امان!

(بقیاء صفحہ 20)

اور نہایت مخلص و دیانتدار افراد پر مشتمل ہے۔ نام کے ساتھ دانستہ کا عدم نہیں لکھا کیونکہ جہاد بھی کا عدم نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف حکمرانوں کی ذہنیت ہے جو قبل نوح و ماتم ہے۔

بیماری مان مجھے کو تیری دعا چاہیے  
جب نسراحت ملے مجھے کو اسلام پر اور کیا چاہیے  
الله تعالیٰ کسی بیشی معاف فرماتے، کرتے ہیں کہ ایک حافظ سات  
آدمیوں کو جنت میں لے کر جائے گا، لیکن ایک شہید اپنے ساتھ 70  
(ستّر) آدمیوں کو جنت میں لے کر جائے گا۔ لیکن قرآن مجید میں ارشاد  
ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شرک کو کبریٰ بھی معاف نہیں کروں  
گا۔ جس نے شرک کیا اس کو اللہ تعالیٰ کبریٰ بھی معاف نہیں فرمائیں  
گے۔ البتہ شرک کی بغیر جس کو جاہلی معاف کرے۔ لہذا شرک سے  
جتنے رہنا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

**كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ**

"حرماں سے یہ ناگوار ہونے کے باوجود فرض کیا گیا ہے۔"

الله تعالیٰ نے حرماں کو فرض قرار دیا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے:

قُلْ إِنَّ كَانَ أَبَائُكُمْ وَأَبْنَائُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَ  
عَشِيرَاتُكُمْ وَأَمْوَالُنَّ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةً تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا  
وَمَسَاكِنُ تُرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ  
فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهِيدُ الْقَوْمَ  
**الْفَسِيقُونَ** ﴿١٠﴾ (سورة التوبہ ب)

ترجمہ: آب (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا جیسی گر تسلیمات باب اور تسلیمات

بیٹے اور بھائی اور تسلیمات بیویاں اور تسلیمات اخاندان اور وہ مال جو تو میں  
نے کیا اور وہ تجارت جس کے بند ہونے کا تسلیمات ڈر ہے اور وہ گھر

جس کو تم بسند کرنے ہو تو تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اور اس کے راستے میں جرماد کرنے سے زیادہ بیمار ہیں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب (سزا) بریج سے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہ کوئی من گھریٹ بات نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔  
هم گیند بلے سے کربلائی ہیں لیکن کفار ہماری عزتوں سے کربلائی  
سیکھ جیکا ہے۔

میں نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے وہ راستہ مشکل کثیر ہی سی  
لیکن یقیناً وہی راستہ فلاع اور کامیابی کا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جو طائف  
کی گھریلوں بدوہنیں کے میدانوں احمد کے بھڑائی دروں اور یہ موک  
کے میدانوں سے گزرا ہے۔ وہی راستہ آج کشمیر کی سر بیز وادیوں،  
فلسطین کے بھڑائیوں اور میدانوں سے گزر رہا ہے۔ آبنسے تاریخ میں  
دیکھا ہو گا، جسے اسی راستہ پر ہلنے والی قافلے کی کچھ لوٹ مکہ کی  
گلیوں میں رہ گئی، کوئی بدوہنیں کے میدانوں کو بسند کر بیٹھا،  
کوئی احمد کے دروں پر جان دے بیٹھا، وہی راستہ وہی قافلہ روان روان  
ہے۔ آج بھی اس قافلے کے راہی افغانستان، کشمیر اور بوری دنیا کے  
اندر اپنے آب کو اپنے معبد کے نام پر قربان کرنے کی لئے اور اپنی  
جنی ہونی منزل کو سنجھ رہے ہیں۔ آب بھی اسی راستہ کے راہوں  
جانیں۔ میں یہ بوجستا ہوں کہ اپنے آب کو شہداء کے قافلے کے راہی  
کرنے والو نرا غور کرو، کیا وہ انقلاب جو تم بسیا کرنا جا گئی ہو اس  
انقلاب کو مظلومیہ خون مل جیکا ہے؟ کیا اسلام میں انقلاب آگیا؟ ہماری  
مظلوم بہنیں اور مائیں محفوظ ہو جکی؟ کیا غیروں کی حاکمیت سے نکل

گئی؛ کیا فھاشی اور عربیانی کا انقلاب مڑ گیا؟ اگر نرسیں تو یقین جانیں۔  
 لہماری روح تریتی ہے۔ لہمارے جذبات میں تلاطم آتا ہے؛ بسما ہوتا  
 ہے؛ اگر نرسیں تو بسر خاموش کیوں ہو؟ تمہاری نیندیں ہرام کیوں  
 نرسیں؟ تمہارے ہاتھ میں کلام شکوف کیوں نرسیں؟ آب خاموش کیوں ہیں؟  
 کیا محض ”قال اللہ و قال الرسول“ کا ورد کر کے تم مطمئن ہو جاتے ہو؟  
 نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم نبیری  
 کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری  
 مسلمان کسی اک بیٹی پر جب ہوا رسا ظلم  
 تو ابن قاسم کسی نجاعت کے کرمل گئے تو علم  
 آج ہزاروں بیٹیاں برباد ہیں کشمیر میں  
 مسلمان! جوش آتا کیوں نرسیں تیری کشمیر میں  
 میرا تو برسی فیصلہ ہے کہ اللہ آب سب بشریوں کو ہدایت دے اور  
 امام جان کو برسی ان کو جہاد فی سبیل اللہ میں بڑی ہجنے کی توفیق  
 عطا فرمائے (آمن)۔  
 اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو امام جان اپنا بیٹا مسجدہ کر معاف  
 فرمادینا۔ ابا جان، تمام بہن بہائیوں اور دوست احباب کو سلام۔  
 والسلام

نَا كَارَهُ عَمْرٌ فَارُوفٌ افغانستان

## دل کو جھلستی باتیں

اس وقت ہمیں اس کے نصیحت بھرے خط کچھ اچھے نہیں لگتے تھے۔ ہم سب بھائی خط پڑھ  
 کر یاسن کر کچھ نہ کچھ اس پر تبصرہ کر دیتے۔ بات آئی گئی ہو جاتی۔ یہ تو حضرت انسان کا کچھ مزاج ہی  
 اس طرح کا ہے کہ اپنے مزاج کے خلاف کسی منظر کا دیکھنا، کسی بات کا سننا اور کسی حادثے کا ہونا

گرال گرتا ہے۔ اچھی بات بھی بری لگتی ہے۔ نصیحت تو پھر زہر لگتی ہے۔ ہم بہن بھائیوں کو اس نے دعوتِ جہاد پر درجن سے کچھ اور خط لکھے۔ ہمیں راہ راست پرلانے کی اس نے حتی الوع کوشش کی۔ اس نے جہاد نہ کرنے پر عذاب و سزا سے ڈرایا اور کرنے پر فضائل و انعامات گتوائے۔ لیکن ہم لوگ غافل اور شعور سے عاری تھے۔ اس نشے میں تھے کہ ہم حافظ و قاری ہیں۔ اس نشے نے ہمیں مطیع بنایا اور نہ ہی خوفزدہ ہونے دیا۔

اج سوق رہا ہوں ایسے ہی دیوانوں کی دلوں پر حکمرانی ہوتی ہے جن کا نام صدیاں گزرنے کے بعد لوگ یاد رکھتے ہیں اور ان کا نام سن کر عقیدت و محبت کے آنسو امداد آتے ہیں۔ ہم جیسوں کے جانے پر انسان و حیوان تک سکون کا سائز لیتے ہیں۔ ہمارا بھائی اور اس جیسے لوگ جن کا ذکر آنے پر دل میں عقیدت کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں۔ جبکہ ہم جیسوں کے ذکر سے ہی خراج کی شگفتگی تک چھن جاتی ہے۔ اپنے اپنے مقدار اور نصیب کی بات ہے۔ لیکن غور و فکر میں تو شاید کوئی حرجنہیں ہے۔

ایک لڑکے نے دکاندار سے پوچھا: ”آپ کے پاس وہ قلم ہے جس کا شہری ڈھکن اور باریک سی نب ہے؟“  
دکاندار نے کہا: ”میں ہاں!“  
لڑکے نے کہا: ”اچھا، میرے پاس بھی ہے۔“

یہ دو عدد خط تحریر کرنے سے قبل میں نے ہمیشہ سے پوچھا تھا کہ تمہارے پاس بھائی عمر فاروق کے خط تھے، وہ تمہارے ہاں ہی محفوظ ہیں یا ادھر گھر میں ہیں؟ اس نے کہا: ”میرے پاس ہیں۔“ میں نے بھی 60 کلومیٹر دور ہونے کی وجہ سے کہہ دیا کہ خط میرے پاس بھی ہیں۔

اچھا یہ سب کچھ لکھنے سے ہمارا مقصد اپنے مجاہد بھائی کی شان بڑھانا نہیں ہے، کیونکہ مجاہد کی شان کسی انسان کے بس کی بات ہی نہیں۔ یہ اللہ اور اس کا شہید بندہ جانے، اس لئے کہ مجاہد کی شان میں ساڑھے چار سو سے زائد آیات قرآنیہ اور ذخیرہ احادیث میں اس موضوع پر بابوں کے باب موجود ہیں۔ اس لئے مجھے مجاہد کی شان بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا مقصد تو صرف اور صرف یہ ہے کہ میرا نام بھی کسی نہ کسی درجے میں مجاہدین سے محبت کرنے والوں کی صاف میں شامل

ہو جائے۔

ایک دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا: ”یا کوئی طریقہ بتاؤ کہ لوگ مجھے ہمیشہ یاد رکھیں؟“ - دوسرے دوست نے بے ساختہ جواب دیا: ”قرض لے لو، ہمیشہ یاد رکھے جاؤ گے۔“ - یہ طریقہ تو ہم نہ اپنا سکے، اس لئے کہ خدا نخواستہ اس کے کارگر ہونے میں شک و شبہ ہے۔ یہ تو بہت ہی مجرب نہیں ہے، ہمارے ایک بہت ہی قریبی عزیز اس کا تجربہ کرتے چلے آرہے ہیں، لوگ ان کو بہت یاد کرتے ہیں۔ خیر ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ ہمارے مجاہد بھائی ہمیں خطوں پر خط لکھتے رہے، ہم اُس سے مس نہ ہوئے۔

## مجاہد سے پیرخانے میں ملاقات

ان کے جانے کے دس ماہ بعد ماهِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اپنے پیر و مرشد مولانا محمد عزیز الرحمن صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ مسنون اعیکاف کرنے کے لئے گیا۔ وہاں پر 21 رمضان المبارک اور بائیسویں تراویح کے بعد مجاہد بھائی عمر فاروق کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ مسکرا کر بغل گیر ہو گیا۔ حانین کا حال احوال پوچھنے کے بعد میں نے کہا کہ اللہ کے ولی پہلے گھر جانا تھا۔ والدین سے ملتے تو بہت خوش ہوتے۔ ان نے چاروں کا بھی کوئی حق ہے کہ نہیں۔ وہ کہنے لگا: ”بھائی جان! میرا بھی جی تو بہت چاہتا تھا، گھر جا کر والدین، عزیز واقر اور دوست احباب کو ملتا۔ لیکن مجبوری یہ ہے کہ میں یہ ساری عیاشیاں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ میں نے ”چنگا“ لمبا سا کہا: ”کیا؟ کون سی عیاشیاں، کیسی عیاشیاں؟“ کہنے لگا: ”بھائی جان! بے ادبی معاف، حضرت والا کی اقتداء میں جماعت سے نماز پڑھنے کی عیاشی، پھر تراویح کے بعد ختم اللین کی عیاشی، پھر آدھا گھنٹہ حضرت والا کے ساتھ مناجات کی عیاشی، پھر رحمت کا دسترخوان چننے کی عیاشی (ہمارے حضرت والا دسترخوان پر گھٹھلیاں رکھ کر استغفار کا ورد کرنا، درود پاک، پہلا کلمہ اور تیسرے کلمے کے ورد کو رحمت کا دسترخوان فرماتے ہیں)۔ پھر رات بھرنو افل میں تلاوت کی عیاشی، رکوع و سجود کی عیاشی، صح سحری کھانے کی

☆ ۱۔ کیونکہ مثل مشہور ہے: أَحَبُّ الصَّالِحِينَ وَلَيْسُ مِنْهُمْ۔ ☆ ۲۔ جن کو یاد کیا جا رہا ہے، وہ اس پر دلیں میں ہیں۔

عیاشی، اذان کے متصل بعد حضرت والا سے درسِ حدیث سننے کی عیاشی، پھر مفتی صاحب کا بیان سننے کی عیاشی، پھر نماز ظہر کے کچھ دیر بعد حضرت والا کے ساتھ ذکر مبارک کرنے کی عیاشی، نماز عصر کے بعد حضرت والا سے بیان سننے کی عیاشی، پھر افطاری تک مناجات اور افطاری مدینہ شریف کی کھجور و آب زم زم سے کرنے کی عیاشی۔ میں نے کہا: ”بس یار! بس“۔ غرض اس کی زبان سے ان عیاشیوں کی گردان سننے پر بے ساختہ بندہ نے دائیں ہاتھ کی پشت ہونٹوں پر پھیری تو میرے ہاتھ کی پشت بھیگ گئی۔ مجھے لگا کہ یہ ہمہ قسم کی عیاشیوں کی گردان سن کر میری رال بھی ٹپنے لگی ہے اور منہ سے پانی آنے لگا ہے۔

### رمضان اور اعتکاف کا بھرپور فائدہ

پھر وہ اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے میں لگ گیا۔ میں تو موقعہ ”تازتہ“ رہتا کہ کب موقعہ ملے تو سو جاؤں۔ لیکن اس کی آنکھوں میں نیند گویا تھی ہی نہیں۔ پھر نمازِ تہجد کے وقت مجھے کہنے لگا: ”بھائی جان! ایک پارہ تو سنو“۔ میں نے کہا: ”ضرور“۔ اس نے تیسوال پارہ نوافل میں سنایا۔ اگلے دن اتنیسوال پارہ سنایا۔ پھر اگلے دن چوبیسویں رات پہلا پارہ سنایا۔ پھر بڑی بڑی سورتیں، حتیٰ کہ عید کا چاند نظر آنے تک کچھ نہ کچھ منزل سناتا رہا۔ حالانکہ جب وہ اپنے مشن پر گیا تھا تو سوائے چاروں قل اور آیہ الکرسی کے کچھ زبانی یاد نہیں تھے۔ صرف ناظرہ قرآن پاک پڑھا ہوا تھا۔ تلاوت کرتا تو معلوم ہوتا کہ قرآن سے ہی اس کو عشق ہے۔ نماز کے لئے کھڑا ہوتا تو تمہوس ہوتا اسی کے ساتھ اس کو لگاؤ ہے۔ ہمیں اتنا عرصہ پڑھتے پڑھاتے ہو گیا لیکن نہ تلاوت کا اس طرح شوق ہوا اور نہ نماز کا ذوق اس طرح کا بنا، جو بڑی ہی محرومی اور بد قدمتی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صحیح معنی میں تلاوت کا ذوق، نماز کا شوق اور دیگر عبادات کی توفیق عطا فرمائیں۔

جب ہم تیسویں رمضان المبارک کی رات آٹھ تراویح پڑھ چکتے اعلان ہوا کہ عید کا چاند نظر آگیا ہے۔ تو حضرت والا نے فرمایا: ”جو ساتھی گھروں کو جانا چاہیں وہ جاسکتے ہیں، جو ساتھی رہنا چاہیں، بڑی خوشی سے رہیں۔

## جب ہم نے زبردستی گھر لایا

اس وقت مجاہد بھائی کہنے لگا: ”مجھے اگر اجازت ہو تو عید الفطر حضرت کے ساتھ ہی کروں“۔ میں نے کہا: ”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ایک تو تم سال کے بعد واپس آئے ہو۔ دوسرا یہاں سیدھا حضرت کے پاس آگئے ہو۔ کچھ خدا کا خوف کرو۔ اور کہہ رہے ہو کہ میں عید یہاں کروں گا۔ اگر میں تمہیں یہاں چھوڑ کر گیا تو کیا اماں جان مجھے چھوڑ دیں گی۔ وہ اتنا کوسمیں گی کہ پورا محلہ سنے گا۔ نہ بابا میں یہ کام بالکل نہیں کر سکتا۔ تم نے اگر ایسا کیا تو میں حضرت والا کو تمام صورت احوال سے مطلع کر دوں گا۔ ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ ہمارے مجاہد بھائی اپنے والدین کے حقوق کا بالکل خیال نہیں کرتے۔“

خبر یہ ہمکی کا رگر ہوئی تو وہ مان گیا اور گھر ساتھ آنے پر راضی ہو گیا۔ بندہ نے اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا۔ ایک لطفہ یاد آیا:

ایک سپاہی ایک بوڑھے کو کہنے لگا: ”میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟“؟  
بوڑھا: ”جی میری ٹانی گم ہو گئی ہے، اسے ڈھونڈو۔“  
سپاہی: ”کیا وہ کوئی خاص قسم کی ٹانی ہے، جس کے لئے آپ اتنے فکر مند نظر آ رہے ہیں؟“؟

بوڑھا: ”در اصل اس ٹانی کے ساتھ میرے دانت بھی چپکے ہوئے ہیں۔“  
کیونکہ ہمارا گھر جانا بھی اس کے ساتھ چپکا ہوا تھا، ورنہ بندہ کو بھی دو دن رکنا پڑتا۔ بستر باندھے اور حضرت والا کو ملتے ملتے رات کے دس وہاں ہی نج گئے، رش کی وجہ سے۔ چار ساڑھے چار سو تو صرف مختلفین تھے۔ حضرت کومل کر مسجد سے باہر آئے تو ربال کے ساتھیوں کے لئے گاڑی (بائی ایس) آئی ہوئی تھی، اس سے ہمیں کافی سہولت ہو گئی، ورنہ کافی پاپڑ بیلے پڑتے پھر جا کر ہم چکوال پکنچتے۔

ساڑھے دس بجے وہاں جامع مسجد صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) را ولپڑی سے چلے تو بھائی نے سفر کی مسنون دعاء تلاوت کی۔ ہم نے بھی دیکھا دیکھی قدرے اوپنجی آواز سے دعاء پڑھی تاکہ لوگوں کو پہنچتے چلے کہ ہمیں بھی یہ دعاء آتی ہے۔

## میدان جہاد سے انس

میں نے مجاہد بھائی کو کہا: ”یار پورا سال جو باہر رہے ہو، ہمیں بھی کچھ اپنے بارے میں بتاؤ۔“ کیونکہ وہاں حضرت والا نے اعتکاف کے دوران مسجد میں باتیں کرنے سے منع کیا ہوا تھا۔ میں نے کہا: ”وہاں تمہاری صحت کیسی روئی؟ دل لگا ہوا ہے یا نہیں؟“ میرے اصرار پر اس نے کہا: ”بھائی جان دل وہاں نہیں لگے گا تو یہاں اس دنیا میں جو جہنم جیسی ہے، کیا اس میں دل لگے گا۔“ پھر کہنے لگا: ”میں وہاں مسلسل 16 دن پیار رہا اور پیٹ خراب ہونے کی وجہ سے کافی کمزوری ہو گئی، تو میرے کمانڈر نے کہا کہ اسد اللہ گھر پلے جاؤ، جب صحت اچھی ہو جائے تو واپس آ جانا۔ میں نے کہا کہ حضرت میں یہ جنت جیسا ماحول چھوڑ کر بالکل نہیں چاؤں گا۔ میں اب پہلے سے بہتری محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے مجھے گھر روانہ کر دیا۔“ اور کہنے لگا: ”بھائی جان! ہمارا اس ماحول میں ایمان قوی ہوتا ہے کہ اس کیفیت کو میں پیان نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ آپ (محمد رسول اللہ) ﷺ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ أَيْمَانًا دَآئِمًا

”یا اللہ! میں آپ سے دائیٰ ایمان کا سوال کرتا ہوں۔“

دائیٰ ایمان وہ ہوتا ہے جو ہر وقت دل میں موجود رہتا ہے۔ بے شک ایمان کی طاقت بہت بڑی ہے اور ایمان ہی سب سے بڑی نعمت ہے، یقیناً سب سے بڑی نعمت۔“

بندہ نے اندازہ لگایا کہ ہمارے ایمان اور مجاہد کے ایمان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہم تو منافقت کے رنگ ڈھنگ لئے بیٹھے ہیں۔ ایمان کا لیبل چپکایا ہوا ہے، لیکن باطن میں تاریکی اور کفر بھرا ہوا ہے۔ جتنا ایمان و یقین خط اول یعنی محاذ جنگ میں بنتا ہے، اتنا کامل و قوی ایمان شاید کہیں بن سکے۔

## کسان کا کھرپا اور شیطان کی دوڑ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پڑھا ہے کہ امام رازی کو کسی جگہ راستے میں شیطان مل گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ پھر ایک کھیت والے کو دیکھا کہ کندھے پر چھالی لئے

ہوئے اپنے کھیت میں جا رہا تھا۔ امام رازی نے شیطان سے پوچھا کہ بتا میرا ایمان توی ہے یا اس پچالی والے کا ایمان توی ہے؟ شیطان نے کہا: ”اس کھیت والے کا ایمان توی ہے۔ تمہارے ایمان کو تو میں دلیلوں سے چلتیوں میں اڑا دوں گا“۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ”میرا ایمان تحقیقی ہے اور اس کا ایمان تقیدی ہے۔ تحقیقی ایمان توی ہوتا ہے تقليدی ایمان سے“۔ شیطان نے کہا: ”اچھی بات ہے، ابھی آزمائیتے ہیں“۔ اس کھیت والے کو بلا بیا، اس سے پوچھا: ”خدا کتنے ہیں؟“ اس نے کہا کہ ایک۔ شیطان نے کہا: ”اگر میں نے دو ثابت کر دیئے تو،“۔ کھیت والے نے اپنی پچالی اس کی طرف اٹھا کر کہا کہ ثابت کر کے دکھا تو میں تیرا پیٹ پھاڑ دوں گا۔ شیطان وہاں سے بھاگا کہ اس کی دلیل کا کوئی کیا جواب دے۔ (از ”ہنستے مسکراتے واقعات“)

بات ہو رہی تھی مجاہد کے ایمان کی۔ جب وہ محاذ پر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہے تو پھر اس کو سلوک کی منازل طے کرنی پڑتی ہیں، نہ ایمان بنانے کے لئے کوئی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ نہ چلے کاٹنے پڑتے ہیں اور نہ فاقوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جتنا توی اور کامل ایمان محاذ جنگ پر بنتا ہے اتنا چل، چار ماہ اور سال لگانے سے بھی نہیں بن پاتا۔ اس سے آپ خدا نخواستہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم تبلیغی جماعت کے مخالف ہیں۔ تبلیغی جماعت کا مبارک کام الحمد للہ پورے زور و شور اور اخلاص کے ساتھ جاری ہے۔ ہر آئے دن اس میں ترقی ہو رہی ہے، جو خوش آئند بات ہے، اس پر جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔ لیکن ان میں سے جب تک کچھ افراد جہاد کی مخالفت نہ کر لیں، وہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کا کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ کچھ افراد عام لوگ ہوتے تو شاید اتنا دکھنے ہوتا، کیونکہ انہوں کی پیٹی بھی بازار سے خریدی جائے تو اس میں سے بھی کچھ انڈے خراب نکل آتے ہیں۔ یہ تو پھر بہت بڑی ایک عالمی اصلاحی تحریک ہے جو دین حنیف کے لئے قابل قدر سرمایا ہے۔

## کسی کو بھی جہاد کی مخالفت زیبا نہیں

دکھتب ہوتا ہے، جب اپنے آپ کو عالم کہنے والے جہاد کے خلاف زبان استعمال کرتے

☆ اس کی ایک واضح ترین مثال یہ ہے کہ کئی اکابر علماء، فقہاء، مفسرین، محدثین اصحاب نظر وغیرہ اپنے تمام تعلیمی مشاغل و مصروفیات کے باوجود سال میں ایک متعین وقت جہاد میں ضرور صرف کرتے تھے۔ حضرت (باقیہ بر صحیح) (31)

ہیں، جس سے قرآن و حدیث بھرا پڑا ہے۔ اس لئے نہایت دکھ کے ساتھ اخراج کر رہا ہوں کہ اگر کسی کو کسی فرد سے ذاتی عناد ہے تو جماعت کا سہارا لے کر ایک اصلاحی تحریک کو بدنام نہ کیا جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں عبد اللہ بن ابی پیدا ہو سکتا ہے۔ تبلیغ والوں میں بھی غلط لوگوں کا شامل ہو جانا اور اپنا فن دکھانا ناممکن نہیں۔ تبلیغ میں بھی اخلاص سے کام کرنے والے بہت لوگ ہیں، لیکن اس مقدس مشن میں دراڑیں پیدا کرنے والوں کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے رائے و نڈ والے بزرگ اکابر تو تمام تبلیغی احباب کو یہ حکم دیتے ہیں کہ چہ نمبر والوں سے باہر بات کرنے کی قطعی اجازت نہیں اور بزرگ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی کی خواہ مخواہ مخالفت نہ کی جائے۔ بلکہ اگر کوئی مخالفت کرے تو اسے بھی جواب نہ دیا جائے۔ تبلیغی جماعت کے بزرگوں کا کہنا ہے کہ تبلیغ کا یہ کام خالص دینی خیر خواہی پرمنی ہے اور اس میں تصادم کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن اب تبلیغی جماعت کے بعض افراد اپنی بڑھتی ہوئی قوت یا پھیلتے ہوئے کام سے متاثر ہو کر بزرگوں کے اصولوں کو چھوڑتے جا رہے ہیں۔ جہاد اور مجاہدین کی کھل کر مخالفت کی جاتی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جس طرح تبلیغی جماعت کے مخالفین اس کی مخالفت کر کے اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے، بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پوری امت کی بھلائی کے لئے جاری فرمایا ہے۔ لہذا میں نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے وہ محض خیر خواہی پرمنی ہے۔ تبلیغی جماعت سے ہمارا تعلق اخلاص پرمنی ہے اور حقیقت میں بندہ اس جماعت سے پیار

(بقیہ از صفحہ 30)

عبد اللہ بن مبارک جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد رشید اور جلیل القدر محدث ہیں، ہمیشہ ایک سال حدیث پڑھاتے اور اس کے بعد کا سال جہاد میں انہیں طلبہ کو لے کر پہنچ جاتے، جب اتنے بڑے عظیم مرتبہ کے حامل افراد کو جہاد کا اس قدر ذوق تھا تو ایک عام آدمی کس قدر محتاج ہے کہ وہ سال کا ایک زمانہ چاہے گئے پہنچنے ایام پر ہی محیط ہو، اپنا زندگ اتنا نے کے لئے میدان جہاد کے لئے وقف نہ کرے اور اتنا مخالفت پر کربستہ ہو جائے اور اس راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دے اور مجاہدین کو طعن و تفہیم کا نشانہ بنائے اور مالی بے ضابطگیوں اور طرح طرح کے الزام عائد کرے۔ اعاذنا اللہ منہ الف

الف مرہ

کرتا ہے۔ اور میں نے یہ تحریر کسی بدعتی کی بنیاد پر نہیں بلکہ امت کی بھلائی اور بہتری سمجھ کر لکھ دی ہے، اگرچہ یہ ”چھوٹا منہ اور بڑی بات“ کے مصدقہ ہے۔

## اور ہم موہرہ کو رچشم پہنچ گئے

ہاں یہ بندہ مجاہد بھائی کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ مجاہد بھائی سے باقیں کرتے کرتے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ سوا بارہ بجے ہم چکوال تحصیل چوک پر پہنچ گئے تھے۔ تحصیل چوک سے قریباً 4 کلومیٹر جہلم روڈ پر القادر ملز سے 50 گز قبل ایک سنگل انک روڈ رکتا ہے۔ تین کلومیٹر سیدھا دائیں ہاتھ چلتے جائیں تو کوٹھہ ابدال سے گزر کر موہرہ کو رچشم پہنچ گئے۔

جب ہم گاؤں پہنچنے تو رات کا کافی حصہ بیت چکا تھا اور گاؤں میں داخل ہونے پر ہمارا استقبال کتوں نے کیا جو کافی دیر تک برابر پہنچا کرتے رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہم کو گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی رحمت نہ کرنا پڑی۔ کیونکہ اماں جان جاگ رہی تھیں۔ رات کے قریباً ڈیڑھ بجے گھر پہنچنے تھے۔ اب اجان بھی اٹھ گئے۔ ہمیں بالخصوص مجاہد بھائی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کچھ دیر بیٹھنے پر اماں جان نے کھانے کا پوچھا، تو میں نے کہا: ”کھانا تو ہم کھا کر آئے ہیں لیکن کوئی خصوصی ڈش ہے تو لے آئیں“۔ اماں جان نے ہمارے سامنے کھیر رکھ دی جو بھائی اسلام چکوال شہر سے لے کر آیا تھا۔ مجاہد بھائی نے چند لفے لے کر ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے اوپر اور پرے کہا بھی کہ بھی اور کھاؤ! اور کھاؤ! لیکن اس نے لنگی میں سر ہلا دیا۔ تو میں نے عزیزم برادر عبدالشکور کو کہا: ”بھائی! ہم کو تو بزرگوں کی ہدایت ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے سنت طریقہ پر عمل کرو، اس لئے مجھ کو بھانڈا (برتن) صاف کرنے کی سنت بہت عزیز ہے۔“

جیسا کہ ایک شخص نے کہا: ”اللہ کا کلام پورے کا پورا زبردست اور قابل عمل ہے لیکن مجھے یہ دو کلمے ”کلوا و اشربوا“ بہت ہی پسند ہیں۔“ اسی طرح ہم کو بھی ابھی صرف بھانڈا صاف کرنے کی سنت یاد ہوئی ہے۔ ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اماں جان نے میرے سامنے سے ڈونگا کھیر والا

کھیچ لیا اور کہا کہ محمد اولیس اور محمد زکریا کے لئے بھی رہنے دو۔ میں نے اماں جان کو کہا: ”والغیری کے زمرے میں ہم آتے ہیں، ہم آپ کے بیٹے ہیں، اولیس و زکریا تو دور کے رشتے دار بنتے ہیں۔“ انہوں نے کہا: ”جاو، اپنا کام کرو۔“ میں نے یہ سوچ کر دل کو تملی دے لی کہ صبح کو دو دو روپے دونوں بھائیوں کو دے کر کھیر لے لوں گا اور سو گیا۔

## مجاہد میدانوں میں اچھے لگتے ہیں

دھیرے دھیرے، خرماس خرماس، آہستہ آہستہ ایک ہفتہ گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ اچانک ایک دن مجاہد بھائی نے رات نماز عشاء کے بعد اٹیک کر ہی دیا، یعنی بتا دیا کہ میری صبح واپسی ہے۔ پورے کمرے میں کیک دم سناتا سا چھا گیا۔ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کمرے میں کوئی ذی روح ہے ہی نہیں۔ حالانکہ کمرے میں اس وقت ہم سات جاندار تھے۔ یہ سکوت امی جان نے توڑا اور کہنے لگیں: ”بیٹے! ابھی کچھ اور رکو۔“ ساتھ ہی میں نے لقمه دیا کہ چکوال میں ذمہ دار ساتھی کہہ رہے تھے، آپ کے بھائی کو چکوال ہی میں خدمت کے لئے رکھ لیتے ہیں، ویسے بھی ہم کو ایک اور ساتھی کی ضرورت ہے اور مرکز سے میں خود ہی آپ کے بھائی کی تشکیل بھاگ کرالوں کا۔ مجاہد بھائی نے میری طرف گھور کر دیکھا اور کہا: ”چیف کلانڈر صاحب نے مجھے اتنی ہی اجازت دی تھی، لہذا میں زیادہ نہیں رک سکتا۔ جماعت نے میری تربیت پر رقم خرچ کی ہے اور وہ رقم قوم کی امانت ہے، میں امانت میں خیانت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کو چاہیے کہ میری حوصلہ افزائی فرمائیں تاکہ جماعت نے مجھ پر جو توقعات رکھی ہوئی ہیں اور جو مجھ پر اعتماد کیا ہے، میں اس اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤں۔ میرا مشن بھی بارہا ہے۔ مجاہد میدانوں میں اچھے لگتے ہیں، گھروں میں نہیں۔ اس لئے زیادہ ٹھہرنا گھر میں میرا اچھا نہیں۔ آپ سب میرے لئے المحاج وزاری سے دعا فرماویں، اللہ مجھے سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت دیں۔“ سب خاموش ہو گئے۔ ایک مرتبہ پھر کمرے میں سکوت طاری ہو گیا۔ میں کمرے سے باہر آ گیا اور عبدالشکور بھائی بھی باہر نکل آئے۔

باہر چاندنی رات اور موسم خوشنوار تھا، گودھیرے دھیرے ہوا چل رہی تھی، بنکی کچھ زیادہ نہ تھی۔ اس لئے ٹھنڈک کا احساس راحت بخش اور فرحت انگیز کیفیت پیدا کر رہا تھا اور پیدل چلنے سے

جسم میں پیدا ہونے والی گرمی اور سینے کا مداوا بھی کر رہا تھا۔ ذہن میں متصاد خیالات کا بے ہنگام بجوم تھا۔ ایک طرف تو بھائی کا عظمت والے راستے کی طرف جانا اور دوسری طرف جدائی اور فراق کا غم۔ ظاہر بھائی عبدالشکور کے ہمراہ قدم سے قدم ملائے خاموشی کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا تھا، مگر حقیقت میں میرا دل و دماغِ ماضی قریب میں بیٹی ہوئی مجاہد بھائی کی حسین یادوں کی مکمل گرفت میں تھا۔ جس کے ورق کے ورق اللئے جا رہے تھے۔ یہ سلسلہ تب منقطع ہوا جب عبدالشکور نے کہا کہ بھائی جان واپس چلیں، کافی دیر ہو گئی ہے باہر نکلے ہوئے۔

صحبہ بنہ مجاہد بھائی کوں کرمع اہل خانہ اپنے مدرسہ اوڈھروال آ گیا۔ دن کو 11 بجے چھٹی کر کے 12 بجے کے قریب بنہ سو گیا، یعنی قیلولہ کرنے لگا۔ قیلولہ کے متعلق میں نے کسی بزرگ سے سنا ہے کہ نماز تہجد سے بھی زیادہ ثواب ہے اور ایسی میٹھی میٹھی سنتوں پر بنہ بڑے شوق سے عمل کرتا ہے۔ تقریباً ڈریٹھ بجے الہیہ اور محمد زکریا کی کوششیں رنگ لائیں اور میں بیدار ہو گیا۔ محمد زکریا نے کہا: ”بآہر مجاہد چاچو آئے ہوئے ہیں“۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر باہر آیا تو مجاہد بھائی کھڑے تھے۔ ان کو لے کر دونوں درس گاہ میں بیٹھ گئے۔ کیونکہ میں درس گاہ چھٹی کے وقت آؤ یہک مہمان خانہ بن جاتی ہے۔

## استاد محترم کے گھر کا آخری کھانا

خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد میں نے کہا: ”آپ نے تو آج جانا تھا“۔ کہنے لگا: ”یار، آپ کے آنے کے بعد حضرت استاذی المکرم کی طرف سے شام کے کھانے کی دعوت کا پیغام ملا ہے، ان کی دعوت کو رد کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا“۔ (یہ استاد ہمارے محترم و مکرم سلیم اختر صاحب ہیں، جو کہ رشتے میں ہمارے بچپا ہیں۔ ہم سب بھائیوں کے محسن بھی ہیں۔ ان ہی سے ہم سب بھائیوں نے ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی ہے۔ راقم نے حفظ بھی انہیں کی ترغیب سے کیا ہے۔ گاؤں کے بچے کے استاد ہیں اور اپنے گاؤں میں بہت ہی حکمت و بصیرت سے دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کی اپنی اولاد بھی سب کی سب حافظ و قاری اور بڑے بیٹے (مولانا محمد عبدالغمزہ) مکمل عالم دین جو کہ چکوال میں درجہ کتب کے مدرس ہیں۔ ذالک فضل

الله یؤتیه من یشاء

کہنے لگا: ”بھائی جان! آپ سے ایک مسئلہ بھی پوچھنا ہے“۔ میں نے کہا: ”یار، مسئلے مفکریوں سے پوچھے جاتے ہیں، میں مفتی نہیں ہوں“۔ اس نے کہا: ”اگر معلوم ہوا تو بتا دینا“۔ میں کہا: ”کیا مسئلہ ہے؟“ کہنے لگا: ”خالہ نے بھی کھانے کی دعوت دے ڈالی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ ہمارا ماسٹر (خالو) فوت ہو گیا ہے، پچھے اس کی بیتیم بچیاں ہیں، کیا ان کی دعوت کھانا جائز ہے؟“ میں نے کہا: ”یہ بات کہیں خالہ سے نہ کہہ دینا، ان کی دعوت آپ کے لئے جائز ہے۔ اگر دل زیادہ تر دکا شکار ہو تو کوئی ہدیہ وغیرہ دے دینا“۔

اس کو تو میں نے یہ فتویٰ دے دیا لیکن میں خود یہ سوچنے لگ گیا: ”کیا اکرام جی! تو نے بھی کبھی حلال و حرام کی اس قدر تمیز کی ہے؟“ جو ظاہر ہے جواب نہیں میں تھا۔

ایک دفعہ میرے والد صاحب نے فرمایا کہ جب میں فوج سے پتشن آیا تو اپنے سلسلے کے ایک ساتھی کی گاڑی (بس) پر ڈرائیوری کر لی۔ تو ایک دفعہ کھانے کے بعد میں نے اپنے کندیکٹر سے کہا (جو کہ ایک دیہاتی تھا) ”بیٹے ہم نے کھانے پر کچھ خرچ زیادہ نہیں کر دیا۔“ اس نے کہا: ”کیا؟“ میں نے یہ بات دوبارہ دہراتی تو اس کامنہ حرمت سے کھل گیا۔ آگے سے بولا کچھ نہیں، کیونکہ میں اس کو سگریٹ و دیگرے برے افعال، رقم کے معاملہ میں ڈنڈی مارنے سے روکتا رہتا تھا۔ جب وہ مالک کے پاس گیا (جو میرے سلسلے کے ساتھی کا بیٹا تھا) تو کہنے لگا: ”اوسا میں! اس مولیٰ نوں وچ کداراں واڑ لیا ایہہ۔ اے تینوں وی ڈبوچھوڑسی تے نال سانوں وی گے۔“ شاید میں نے بھی اس کو دعوت کھانے

کا فتویٰ اس لئے دیا ہو کہ ہماری مصنوعی دینداری پر پردہ پڑا رہے اور راز فاش نہ ہو۔

نماز ظہر کے بعد جانے لگا تو میں نے کہا: ”جب واپس اپنے مشن پر جاؤ گے تو ملنا ضرور“۔ کہنے لگا: ”بہت مشکل ہے۔ بس آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی موت عطا فرمائیں اور

☆ آفرین ہے اس سوچ کی بلند پروازی پر کہ بڑوں کو اس مسئلے کی طرف ساری زندگی خیال نہیں آتا۔ مجاہدین کی بھی بنیاد پرستی ہے کہ دین کے معمولی سے معمولی مسئلہ و حکم کو دل و جان سے اپالنا اور ہر ایک کے حقوق کا مکمل تحفظ کرنا۔ ☆ اوسا میں! اس مولوی کو گاڑی کی ڈیوبنی پر کیوں لگا دیا ہے، یہ میرا بھی بیڑا غرق کرے گا اور تیرا بھی۔

جو زندگی باقی ہے وہ سعادت مندی کی دیں۔ ”بہر کیف مجاہد بھائی جب جانے لگا تو بندہ نے ایک سو روپیہ دیا۔ تو اس نے میری طرف اس طرح دیکھا، جیسے دل میں کچھ سوچ رہا ہو، کہیں میرا بڑا بھائی زکوٰۃ کا مستحق تو نہیں۔ شاید اس وقت میری حیب میں بھی کچھ تھا۔ وہ مل کر چلا گیا۔

### دینداری اور بے دینی کا مقابلہ

جب جمعرات کو بندہ گھر گیا تو برادر عزیز عبد الشکور سے مجاہد بھائی کے باہت سوال کیا تو وہ کہنے لگا کہ وہ تین دن قبل چلا گیا ہے۔ ساتھ ماموں کے لڑکے اور دو اور ساتھیوں کو بھی لے کر گیا تھا۔ لیکن ان میں سے ایک کا والد ان تینوں کو پشاور سے جا کر لے آیا۔ اس پر میں نے اس کو کہا: ”یہ تینوں لڑکے اگر اپنے والدین کا ذہن بناتے، والدین کو جہاد کے فضائل بتاتے اور مسائل و احکام بتاتے یا کم از کم یومیہ ایک دو صفحے فضائل جہاد سناتے اور مولانا محمد مسعود انٹھر صاحب دامت برکاتہم کے جہاد کے موضوع پر بیانات سنواتے تو ان کے والدین ان کے رستے کی دیوار نہ بنتے۔ ان کے والدین جو کہ الحمد للہ مسلمان ہیں اور مسلمان اتنا بے حس بھی نہیں ہوتا کہ جہاد کے احکام معلوم ہونے کے باوجود بھی کوئی رکاوٹ کھڑی کرے۔ لیکن ہماری مسلمانی بھی کرانے کی یادوں برکی ہو کر رہ گئی ہے۔

وائے	ناکامی	متاع	کارروائی	جاتا	رہا

سو ہمیں ان رکاوٹ بننے والوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اسلام نے قیامت تک زندہ و تابندہ رہنا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ نے اسلام کی حفاظت اور عظمت کے لئے اس کے ساتھ ساتھ موجود رہنا ہے۔ اسلام ایک سچا دعویٰ ہے اور جہاد اس کی کھڑی دلیل ہے۔ اسلام جہاد کے ذریعے مکمل ہوتا ہے اور جہاد خود اسلام کا ایک لازمی جزو ہے۔ جب تک قیامت نہیں آتی، جہاد جاری رہے گا اور وہ اسلام کا ڈنکا بر ملا بھاتا رہے گا۔ میرے پاک نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان سچا ہے اور آپ نے قیامت تک مجاہدین کے جہاد میں مصروف رہنے کی بشارت دی ہے۔

اللہ کی قسم! ظاہری اسباب کے تحت اس زمانے میں جہاد کا باقی رہنا کسی طرح بھی ممکن

نہیں ہے۔ اسلامی ملکوں کے حکمران کافروں سے دو قدم آگے بڑھ کر جہاد کو ختم کرنے کے لئے کمر بستہ ہیں۔ ملکوں کی سرحدیں دین سے زیادہ مقدس قرار دے دی گئی ہیں۔ اسلامی وحدت کا تذکرہ ہر ملک میں جرم ہے۔ نجی طور پر اسلامی چلانے کی تربیت منوع ہے۔ جہادی جماعتوں پر پابندی ہے۔ آئے روز دفتروں پر چھاپے ہیں۔ اللہ ان بزدل حکمرانوں کو ہدایت دے۔

### مشکل ترین راستہ

زمین کفر کی طاقت سے اور فضا ان کے سیار چوں سے اٹی پڑی ہے۔ اعلیٰ درجے کے خوفناک اور حساس آلات تیار ہو چکے ہیں۔ کیا ان حالات میں جہاد ممکن ہے؟ جب کہ جہاد کا نام تک لینا گناہ اور اس کی دعوت قابل گردن زندگی ہے۔ مگر اس کے باوجود قربان جاؤں اللہ تعالیٰ کی شان پر اور آقامدنی ﷺ کے فرمان پر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی صورت میں جہاد زندہ ہے اور زندہ رہے گا، انشاء اللہ!

پھر حیران کن بات یہ ہے کہ جہاد کی ہر تحریک کے بارے میں کچھ عرصہ بعد یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے پیچھے امریکہ ہے، اس کے پیچھے روس ہے، اس کے پیچھے آئی ایس آئی ہے، اس کے پیچھے فلاں حکومت یا فلاں ایجننسی ہے۔ واہ بھئی واہ امریکہ کو، الیف بی آئی کو، موساد کو، راء کو تھی محبت ہے جہاد سے، قطع نظر اس بات سے کہ یہ ایزماں درست ہوتے ہیں یا غلط۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جہاد کس طرح جاری ہو جاتا ہے اور اگر کوئی طاقت تعاون کرتی بھی ہے تو اس کو کون اس تعاون پر مجبور کرتا ہے۔

اللہ رب العزت کی قسم! جہاد کی اکثر تحریکیں اللہ تعالیٰ کے لئے اٹھیں اور خالص اسی کے لئے رہیں اور آج تک اسی کے لئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ وہ کسی تحریک کی خدمت کے لئے کسی فرعون کو کھڑا کر دے۔ یہ فرعون کبھی امریکہ کی شکل میں، کبھی اسرائیل کی شکل میں اور کبھی انڈیا کی شکل میں ہو۔

### سر بکف ہوں لڑا دیے کسی بلا سے مجھے

پھر بھی آج کل کے بے دوقوفوں کا یہ کہنا کہ ایجنسیوں کے ایجنت ہیں، یہ فلاں کے ٹاؤٹ

ہیں، یہ ایک ظالمانہ غلطی اور احمقانہ حرکت ہے۔ کیونکہ اس سپر پاور کے بس میں تو اتنا بھی نہیں کہ وہ ان بے سروسامان چند مطلوب افراد کو پکڑ سکے، جن کا نام لے کر جنگ کی آگ سلاگار کھی ہے۔ یا دوسرے ممالک کی مدد کے بغیر کسی سے جنگ تک کر سکے۔ یہ سپر پاور امریکہ تو محض اپنے رعب، بدمعاشی اور مسلمان حکمرانوں کی بزدیلی کی وجہ سے سپر پاور کا جھوٹا تاج سجائے بیٹھا ہے۔ بلکہ دل لگتی بات تو یہ ہے کہ امریکہ کی گرم شیکنا لوچی اتنی مضبوط نہیں ہے جتنا کہ مسلم ممالک کے حکمرانوں کو میر جعفر اور میر صادق کے طور پر امت مسلمہ کے خلاف استعمال کرنے میں اسے خاطر خواہ کامیابی مل رہی ہے۔ اور اس وقت تک ملتی رہے گی جب تک مسلم معاشرہ میں ایسے کینسر زدہ افراد موجود رہیں گے۔

بہرحال جہاد کے لئے اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنے خاص بندوں کو منتخب فرماتے ہیں۔ پھر یہی بندے سچے مسلمان کہلاتے ہیں اور انہیں کے عقیدے اور عمل سے اسلام کو سمجھا اور سیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ خاص بندے بس اللہ تعالیٰ ہی کی مانتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے ان پراسرار بندوں کے انداز نزاںے اور باطنی عجیب ہوتی ہیں۔ وہ رہتے فرش بریں پر ہیں مگر سوچتے عرش بریں کی ہیں۔ اس لئے دنیا بنا نے والوں سے ان کی نہیں بنتی۔

بھائی عبدالشکور نے کہا کہ بھائی عمر فاروق نے افغانستان آنے کا مجھ سے وعدہ لیا تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ میں ضرور آؤں گا۔ جب میں نے پوچھا تو اس نے مجھے خط لکھا اور کہا کہ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جس میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ آدمی وعدہ کرے اور وعدے کا پاس نہ کرے۔

بھائی کہنے لگا: ”ایک دفعہ میں نے جیش محمد کے متعلق کوئی بات کر دی تو مجاہد بھائی کہنے لگا کہ غیبت نہیں کرنی چاہیے۔ سب اہل حق کی جماعتیں صحیح ہیں۔ اہل حق کے خلاف زبان استعمال کر کے اپنی آخرت خراب کر لینا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔“

میں کہہ رہا تھا ان دنیا والوں سے نہیں بنتی۔ وہ دنیا میں دہشت گرد، ملیٹنٹ، بنیاد پرست، فسادی اور معلوم نہیں کیا کیا کہلاتے ہیں، مگر ان کے قدموں کی خاک جہنم کی آگ بجھانے کی تاثیر رکھتی ہے۔ دنیا کی ظاہری زیب وزیست میں کھونے والے لوگ ان مجاہدین کو دین کی شہیدیہ بگاڑنے والا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان ہی پر اگنہہ لوگوں سے دین کی زینت اور رونق دو بالا ہوتی ہے۔ دنیا میں

کوئی رہے یا نہ رہے، ان لوگوں نے رہنا ہے، انہیں سروکونین میں گھنٹوں کی دعا اور محبت نصیب ہے۔ منٹ گھنٹوں میں، گھنٹے ڈنوں میں، دن ہفتوں میں، ہفتے ہفتیوں میں بدلتے ایک سال کا عرصہ گذر گیا، جس میں اس نے چند خطوط جو دعوت جہاد پر مشتمل تھے اور ایک عدد لیکسٹ 60 منٹ کی جس میں 10 منٹ باتیں اور باقی گنتگو جہاد کی دعوت پر مبنی تھی اور کچھ جہادی ترانے تھے، جو اس نے مرسل کئے تھے۔

## صلیب و ہلال کی معرکہ آرائی کا آغاز

پھر 11 ستمبر 2001 کو بیش اینڈ کمپنی نے اعلان کیا تھا کہ ولڈریڈ سنٹر اور پینا گون کو نشانہ بنانے والوں کو نشان عبرت بنا دیا جائے گا۔ اس وہشت گردی کا ارتکاب کرنے والوں کو انصاف کے کٹھرے میں لا یا جائے گا اور اگر ایسا ممکن نہ ہوا تو ”انصار“ کو ان تک پہنچا دیا جائے گا۔

پھر لگ بھگ ایک ماہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود اسامہ بن لادن کو انصاف کے کٹھرے تک نہیں لا یا جاسکا تھا۔ اس نے 7 اور 18 اکتوبر کی درمیانی شب، جب افغانستان کی لٹی پٹی بستیاں، اکتوبر کی خنک چادر لپیٹنے نیند کی آغوش میں جا رہی تھیں، تو چینا، چنگھاڑتا انصاف ان کی منڈریوں پر اتر آیا۔ پچاس کروز میزائل، چیکس لڑاکا طیاروں اور پندرہ بمباروں کے جلو میں نازل ہونے والے انصاف نے بیک وقت کابل، جلال آباد، قندھار اور مزار شریف کے دروازوں پر دستک دی۔

مفروہ بیش نے اپنی مسرور قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”طالبان کو حکم عدوی کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔“ ٹونی بلینر نے اعلان کیا کہ ہماری حکم نما حکومت نہ ماننے والے طالبان اب نتائج کا سامنا کریں۔

مل عبدالسلام ضعیف نے کہا کہ امریکہ کے اتحادی دراصل مٹھی بھر غلام ہیں جو کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور امریکہ کو ان حملوں کی ایسی قیمت ادا کرنا پڑے گی جس کا وہ اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتا۔

افغانستان کی جنگ کی منصوبہ بندی کرنے والے امریکہ کے عکسکری ماہرین کا خیال یہ تھا کہ جب چالیس ممالک کی مشترکہ قوت افغانستان کے دروازام سے ٹکرائے گی تو اس کے پرچے اڑ

جا کیں گے اور اب سحر زدہ امریکی سوچ رہے ہیں کہ اب 2007 تک کروز میرا ملکوں اور بھاری ملکوں کی مارکھانے اور اپنی ساری تنصیبات خاکستر کروا لینے والے طالبان کے معمولات حیات میں ذرہ برابر فرق کیوں نہیں آیا؟

شاید جارج بوش کی قوم اور اس کے پالتو بھی اس سوال کا جواب نہ پاسکیں گے۔ اس نے ابھی تک کوہساروں کی آغوش میں پلنے والے ان بندگاں خدا کو پیچانا ہی نہیں جو ایکسوں صدی میں بھی نان جویں کھاتے اور ”بازوئے حیدر“ رکھتے ہیں۔ امریکہ کے لوگ جس موت سے خوفزدہ ہیں، یہ تو اس موت کے لئے دیوانے ہوئے جا رہے ہیں۔

## امریکہ کے سیاہ دنوں کی آمد آمد

2001ء میں جب امریکہ نے افغانستان پر فوجی چڑھائی کی، جس نے ہر روز افغانستان پر سینکڑوں فضائی حملے اور پانچ پانچ ہزار ان وزنی بمون کی بارش کی اور امریکی فوج نے اپنے ہی بنائے ہوئے انسانی حقوق اور قانون کو تاریخ کیا تو تاریخ میں ایک اور مرتبہ امریکہ کا بھیانک اور مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے آیا۔ دنیا کو محسوس ہوا ایک خوبصورت اور حکیلی اور گورے امریکہ کے پیچھے کتنا درندہ صفت اور سفاک معاشرہ چھپا ہوا ہے۔ چنانچہ امریکہ ظلم و زیادتی کا استعارہ بننے لگا اور ہلاکو اور چلتیگز خان کی صورت ثانیہ بن کر سامنے آگیا۔ وہ امریکہ جو امن و امان کا گھوارہ تھا وہ آج بد امنی کا بازار بن چکا ہے۔ امریکیوں کی او سطع عمر میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ امریکی معاشرہ خواب اور گولیوں کا سہارہ لینے پر مجبور ہو چکا ہے۔ امریکی شہریوں پر ایک خوف مسلط ہو چکا ہے۔ امریکی شہریوں کو ہر قسم کے اسلامی نام سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ امریکہ کا ہر ہر شہری سیکپورٹی کے خط میں بتلا ہے۔ جب کہ وہ اسلامی دنیا کی طرف سراستمی نظر وں سے دیکھتے اور الجھے دماغ سے سوچتے ہیں۔

اگر امریکہ 2001ء میں افغانستان اور 2003ء میں عراق پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرتا، دونوں ملکوں میں فوجیں نہ اتارتا تو امریکا کبھی زوال کا شکار نہ ہوتا۔ اسے معیشت، ثقافت اور ہر میدان میں یوں پسپائی اختیار نہ کرنا پڑتی۔ بُش جانتا ہے، جس دن اس نے افغانستان اور عراق سے اپنی فوجیں نکال لیں، اس دن افغانستان اور عراق میں اس کا اثر و نفوذ ختم ہو جائے گا۔ وہ جانتا ہے

## میرا شہید بھائی

اگر افغانستان و عراق میں امن فائم نہ ہوا تو ان دونوں ممالک کا ہر پچھے اسماء بن لادن بن جائے گا اور ہر نوجوان ملا عمر۔ لہذا کمبل والا معاملہ بن گیا۔ دو دوست دریا کے کنارے پر کھڑے تھے۔ ایک ماندن نہ پائے رفتہ۔ لہذا کمبل دیکھا جوتیرتا ہوا آرہا تھا۔ اس نے آؤ دیکھانہ تاؤ، دریا میں چھلانگ لگا دی کمبل کو پکڑنے کے لئے، جو دراصل میں ایک ریپکھ تھا، جب کچھ دری گز رچکی تو دریا پر کھڑے دوست نے آواز دی کہ کمبل کو چھوڑ دو۔ اس نے کہا: ”میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں لیکن کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔“ اسی طرح بیش کو بھی امریکی قوم آواز دے رہی ہے، لیکن اب بیش اور اس کے جتنی جنوں کو کمبل نہیں چھوڑ رہا۔

## امام جان کی بے قراریاں

بہر حال 2001ء کے حملے کے بعد بندہ جمعرات کو گھر جاتا تو اتوار اور بدھ کا ”روزنامہ اسلام“ (اتوار بدھ کا اخبار مخصوص اس لئے تھا کہ اس کے ساتھ دو عدد میگزین ”بچوں کا اسلام“ اور ”خواتین کا اسلام“ ہوتا تھا) اور ”ضرب مومن“ لے کر جاتا تو اماں جان کو انتظار ہوتا تھا تو وہ پہنچتے ہی مطالبه کرتیں کہ مجاہدین کی خبریں سناؤ۔ بندہ جب امریکہ کے فضائی حملوں، وزنی بیوں سے مجاہدین کی شہادت اور دیگر تباہی کا حال سناتا تو اماں جان کا کیجیہ مٹہ کو آتا اور انکھوں سے اشکوں کی بارش ہونے لگتی اور وہ بچکیاں لیتے لگتیں۔ اس پر ایک انجانا سا خوف، ایک بے نام سا کرب، میرے اعصاب میں چکاریاں سی بھر دیتا تھا۔ پوں لگتا تھا کہ کوئی کند آرہ سے میرے دل کی کاشیں کاٹ رہا ہے۔ مگر اس ناقابل برداشت اذیت کو بندہ اپنے ذہن سے جھک کر گرد و پیش میں کھو جاتا۔ لیکن کوئی بس نہ چلتا، نظر کا ہر زاویہ اور سوچ کی ہر لہر کسی نہ کسی طور پر افغانستان کو نکل جاتی۔ پھر میں اخبار پڑھنا چھوڑ دیتا۔

دن رات گزرتے گئے۔ بندہ تو واپس ڈیوٹی پر آ جاتا۔ اماں جان چھوٹی ہمشیرہ سے مذکورہ تین اخباروں میں سے کچھ نہ کچھ سنتے رہتے اور ابا جان سے ریڈ یو گلوکا کر خبریں بھی سنتے رہتے۔ پھر ”ضرب مومن“ والوں نے جو مجاہدین شبرغان جیل میں قیدی بن گئے تھے اور جو

مجاہدین شہید ہو گئے تھے، ان کی فہرستیں شائع کرنی شروع کر دیں۔ بندہ پورا ہفتہ بے چینی سے انتظار کرتا۔ دفتر جا کر اخبار خود لاتا اور پوری اخبار بالاستیغاب دیکھتا۔ اسیروں مجاہدین و شہداء کی لسٹ غور سے پڑھتا کہ کہیں میرے مجاہد بھائی عمر فاروق رحمۃ اللہ علیہ کا نام تو نہیں ہے۔ بعض دفعہ اسیروں مجاہدین کا پڑھ کر مجھے رونا آجاتا اور رب العزت سے دعا کرنے لگتا: ”یا اللہ! یہ مجاہدین جن کے بیٹے، جن کے شوہر اور جن کے بھائی ہیں، ان تمام کو دشمنوں کی قید سے رہائی دلادے، تو مالک الملک ہے، ہر چیز پر قادر ہے، تیرے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“

اماں جان اکثر اوقات عمر فاروق کے غم میں روتے رہتے تھے۔ اس کا کوئی پہنچی نہیں چل رہا تھا۔ ضلع چکوال و تله گنگ کے کچھ ساتھی شہر گان جیل میں تھے اور کچھ شہید ہو گئے تھے۔ لیکن میرے بھائی کی کچھ خبر نہیں تھی۔ دعاء بیہی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے مجاہد بھائی کو غازی بنا کر لوٹا دے، بہتری کی کوئی سبیل فرمادے۔ اور کوئی آکر خیر کی خبر سنادے۔ لیکن یہ جو درمیان کی بات ہے کہ میرا مجاہد بھائی کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ بس یہ سوچ کر دل قابو میں نہیں رہتا تھا۔

## ایک مرتبہ پھر غم ہرا ہو گیا

دھیرے دھیرے دن اور رات ادلتے بدلتے رہے اور شب و روز کا سلسہ جاری رہا۔ بندہ 2002ء غالباً ۱۴۲۳ھ کے رمضان المبارک میں منون اعیان ف کر کے عید الفطر کی صبح نماز عید سے قبل گھر پہنچا۔ سب گھر والوں اور اماں جان سے جب ملا تو فرمانے لگیں کہ میرا مجاہد بیٹا ساتھ نہیں لائے، وہ کہاں ہے؟ تو بندہ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آئے۔ میں نے آنسو صاف کئے تو اماں جان کو تسلی دینے لگا۔ اپنے کو اور زیادہ اپنے مجاہد بیٹے کو بیاد کر کے رونے لگیں۔ کہنے لگیں: ”اب میرے بیٹے کو کون لائے گا؟“ ان کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی، ہونٹ لرز رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو آبشاروں کی مانند بہرہ رہے تھے۔ کہنے لگیں: ”پتہ نہیں میرے بیٹے کو کھانے کو ملتا ہے یا نہیں۔ جب میں کھانا کھانے پڑھتی ہوں تو نوالہ میرے حلق میں اکلنے لگتا ہے۔ کیا پتہ میرے بیٹے کے پاس گرم کپڑے بھی ہیں یا نہیں؟ وہاں تو شدید سردی ہوتی ہے۔“ یہ کہہ کر پھر زار و قطار رونے لگیں۔ یہی حال تقریباً میرے ابا جان کا تھا۔ ان دونوں اکثر خاموش رہتے تھے۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہتے

تاکہ گھر والے مزید پریشان نہ ہوں۔ میں نے دل مضبوط کر کے اماں جان کو تسلی دی کہ آپ صبر کا  
دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے، وہ تو پتھر کے کیڑے کو بھی رزق عطا کرتا ہے۔ اللہ  
تعالیٰ ہی موسموں سے حفاظت فرماتا ہے۔ اور اپنے بندوں کو کپڑے بھی پہناتا ہے۔ وہ اپنے بندوں  
کی ضرورتیں خوب جانے والا ہے۔ اے اماں! آپ ایک مجہد کی ماں ہیں، آپ کے رونے سے آپ  
کے مجہد بیٹے پر حرف آئے گا۔ اے اماں جان! مجہد بڑے صابر و شاکر ہوتے ہیں۔ ان کی بہادری تو  
ہمارے لئے سرمایہ ہے۔ آپ کا بیٹا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گھر سے نکلا ہے۔ جہاد اسلامی زندگی کی  
معراج ہے۔ اور ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ کا سپندیدہ کام تھا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے  
اسی جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے دنیا کے بڑے بڑے خطلوں سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا تھا۔

اماں جان کہنے لگیں: ”میرے مجہد بیٹے کو پورے دو سال ہو گئے ہیں، محاذ پر گئے ہوئے۔  
دن اور رات کے پیشتر حصوں میں مجھے اپنا بیٹا یاد آتا ہے تو اس کے کپڑے دیکھتی ہوں تو دل چاہتا  
ہے کہ اس کے کپڑوں کو اپنے سینے میں چھپا لوں کیونکہ ان کپڑوں میں میرے مجہد بیٹے کی خوشبو بی  
ہوئی ہے۔ اس لمحے اکثر مجھے اپنی آنکھوں کے آنسو اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اللہ  
تعالیٰ میرے مجہد بیٹے اور تمام مجہدین کی حفاظت فرمائیں اور اپنی امان میں رکھیں“ اور کہنے لگیں:  
”بیٹا! میرے لئے دعا کرو، اللہ تعالیٰ مجھے صبر عطا فرماویں۔ اور تم جاؤ جا کر نمازِ عید پڑھنے کے لئے  
تیاری کرو“۔

## مجاہد عمر فاروق کی شہادت کی خبر

اندازاً عید الفطر کے ڈیڑھ ماہ بعد بھائی عبدالرؤوف نے فون پر رابطہ کیا اور کہا کہ تم گھر  
پہنچو اور اپنے والدین کو بھی کہو کہ گھر ہی میں رہیں۔ آج دن کو آپ کے گھر مہمان آ رہے ہیں۔  
دن کو ساڑھے دس اور بارہ کے درمیان ایک سفید کار میں ضلعی امیر، ایک مولانا صاحب  
اور بھائی عبدالرؤوف کے ہمراہ مولانا مزمل حسین دامت برکاتہم جو مولانا ارشاد احمد شہیدؒ کے چھوٹے  
بھائی تھے، جو اس وقت حرکتہ الجہاد الاسلامی پنجاب کے مرکزی امیر تھے، انہوں نے ہمارے غریب  
خانے کو ورنق بخشی۔ ضلعی امیر صاحب نے جانبین کا تعارف کرایا تو مولانا مزمل حسین ابا جان اور ہم

سب بھائیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے: ”ہم لوگ آپ حضرات کو مبارکباد دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔“ بندہ نے عرض کیا: ”گستاخی معاف! اگر پانچ منٹ ٹھہر جائیں تو میں اماں جان کو بٹھا دوں، پھر آپ گفتگو فرمائیں تو زیادہ مناسب ہے۔“ میں نے اماں جان کو باہر صحن کی طرف دروازے کی اوٹ میں بٹھا دیا۔ تو وہ کہنے لگے: ”ماں جی! آپ کو مبارک ہو، آپ کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گیا ہے۔ اللہ عزوجل اس کی یہ قربانی قبول فرمالیں۔“

”ماں جی! یہ مبارک رستہ ہے، جس کے لئے ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ نے خواہش فرمائی۔ مسلم شریف میں ہے کہ قدم ہے اس ذات پاک کی کہ محمد ﷺ کی جان اس کے ہاتھ میں ہے، مجھے یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ میں اللہ کے راستے میں غزوہ کروں اور شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اسی باعث شہادت کی تمنا میں نے خود کی ہے  
کہ سب سے افضل و اعلیٰ بھی ہے درجہ شہادت کا  
حضور اکرم ﷺ کا ایک اور فرمان مبارک ہے کہ میری امت میں سے کچھ لوگ رضا کارانہ طور پر بغیر اجرت اور روزی کے جہاد کریں گے۔ ان لوگوں کو میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم بجمعین جیسا اجر ملے گا۔ (شفاء الصدور)

ماں جی! مجاہد اور شہید کا اللہ تعالیٰ نے کتنا درجہ بلند فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا احسان ہوا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے رستے میں آپ کا بیٹا قبول فرمالیا ہے، آپ کو آپ کے سب گھر والوں کو میرے ساتھیوں کی طرف سے مبارک ہو۔ اور ہم آپ کو مبارک باد دینے کے لئے آئے ہیں۔ آپ ایک شہید کی ماں ہیں، ہمارے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ ہم کو بھی اپنے رستے میں قبول فرمائیں، ہم بھی آپ کے بیٹے ہیں، جب آپ ہمیں آواز دیں گی، ہم حاضر ہو جائیں گے۔“

## قندوز، ای مدفن شہید! سلام

میرے والد محترم نے ان سے دریافت کیا کہ میرا بیٹا کہاں اور کیسے شہید ہوا ہے؟ انہوں

نے کہا: ”2001ء میں جب امریکہ نے حملہ کیا تھا۔ اسی سال 25 رمضان المبارک 1422ھ کو قدووز کے مقام پر آپ کے بیٹے نے شہادت کا جام نوش فرمایا۔ اس کی ڈیوٹی زخمیوں اور شہداء کو محفوظ مقامات پر لے جانے کی تھی۔ اسی اثناء میں وہ اپنے چیف کمانڈر اور پچھ ساتھیوں کے ہمراہ امریکہ کی بمباری سے جو کہ سب شہید ہو گئے تھے، ان کو اٹھا کر لے جا رہے تھے کہ بمباری کا نشانہ بن گئے۔

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعة الی یوم الدین۔

میں نے عرض کیا: ”حضرت میرے بھائی کی میت کو کسی نے خود دیکھا؟“ تو انہوں نے فرمایا: ”امریکی بمباری بارش کی طرح کر رہے تھے۔ اس وقت ایک قیامت کا سماں تھا، اس افترافری میں کسی کو کہاں اور کس کا ہوش ہوگا، وہاں بمباری کے بعد لوگ قبرستان میں جا کر خون آلوک پڑوں، جو قوتوں اور ٹوپیوں سے اپنے مرحومین کی قبریں معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے تھے۔ ان میں سے خوش قسمت وارث وہ ہوتا ہے جس کے شہید کی قبر کی شناخت ہو جائے۔ اور ان کے پاس کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھ لے۔ اور یہ کہہ دے: سَلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عَنْقَبُ الدَّار۔ ان میں سے بعض بد قسمت وہ ہوتے ہیں کہ گھنٹوں بھر گھومنت گھومنت تھک جاتے ہیں گر اپنے محبوبوں، عزیزوں، رشتہ داروں کی قبریں تلاش کرنے میں ناکام رہتے۔ پھر وہ یہ سمجھ کر واپس آ جاتے کہ یہ سب قبریں ہمارے ہی عزیزوں کی ہیں لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بعض قبروں کے پاس کپڑوں اور خون سے مشک وغیرہ کی خوشبو میں نے خود سوکھی، وہاں ان خون آلوک پڑوں پر ایک کمھی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ ان شہداء کی حقانیت اور طالبان تحریک کی صداقت کی دلیل ہے۔ اللہ ان کی حفاظت فرمائے۔ اب اللہ ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم سب عمر فاروق شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو وزندہ رکھیں اور ہم اپنے گھروں میں جہاد کی تبلیغ کرتے رہیں۔ پھر اللہ کے لئے ہر گھر سے اللہ کا کم از کم ایک سپاہی تو نکلے۔ اور اس طرح مجاہدین کے قافلے میدان جنگ کی طرف جاتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے ضرور ہمارے اوپر بھی اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔“ اور وہ اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔

☆ اخیر دینے والے اپنے اگلے سفر کے لئے روانہ ہو گئے اور منٹوں میں ان کی گاڑی نظر وہ اپنے بھل ہو گئی لیکن یہاں گھر میں ایک عجیب سی حالت میں سب پڑے آنٹوں اور آہوں سے اس عظیم انسان کو خراج

## عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

ان کے جانے کے بعد ہمیں اپنے پیارے بھائی کی یادیں ستارہ ہی تھیں، جو آج میٹھی نیند سوچ کا تھا۔ وہ نیند جس کے پیچھے ایک خوبصورت زندگی ہے۔ ہاں! بہت ہی حسین اور اصلی زندگی ہے۔ اس کی پیار بھری ادائیگیں ناقابل فراموش ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر کرتے ہوئے اس فانی دنیا کو سلام کر گیا۔ اس کے ساتھ رہنے والے ساتھی بتاتے تھے کہ یومیہ دس ہزار درود پاک اور اپنے پیر و مرشد کی تلقین کردہ تسبیحات، کثرت سے تلاوت کلام پاک اس کا عمومی معمول تھا۔ اس کے علاوہ اس کی زبان ہر وقت ذکر اللہ میں مصروف رہتی۔ وہ تربیت کے اتنے سخت دورانیہ کے باوجود اپنے معمولات پورے کیے بغیر سوتا نہ تھا۔ اس کے پھرے پر ایک عجیب سانور تھا جو ہر دیکھنے والے کو اس کی طرف متوجہ کرتا تھا، اس کی خاموشی ایسی ہبیت ناک تھی کہ کوئی اس سے بات چیت کی بہت نہ کر پاتا تھا۔ اس کے ایک اور ساتھی نے کہا: ”نیک، باہمتو انسان اور مستقل مزاج تھا، شوق شہادت میں اس کا کوئی ہم سر نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دیر نہ ہو اور وہ اپنا مقصد پالے۔ اور وہ اب اپنے مقصد حقیق کو پہنچ گیا تھا اور اس نے اپنی منزل کو پالیا تھا۔“

اے ہمارے پیارے رب! بے شک آپ کے ہاں ہر چیز کا ایک مناسب وقت مقرر ہے، ہماری سعادت اسی میں ہے کہ ہم آپ کی تقدیر پر راضی رہیں۔ لیکن ہم انسان ہیں اور اپنی فطری کمزوریوں سے مغلوب ہیں اور کسی قربی عزیز کا فراق اور جدائی سے دکھ و صدمہ ایک فطری اور بشری کمزوری ہے۔ اس لئے بھائی عمر فاروق شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا سنتے ہی دل کو ٹھیک سی پہنچی۔

(تجیہات صفحہ 45)

عقیدت پیش کر رہے تھے۔ کہن فن سے ہم کو بے پواہ کر کے اتنا دور چلا گیا کہ اس کی قبر کا نشان تک معلوم نہیں۔ کہ اس کی قبر کی ڈھیری ہمارے لئے باعث طمانتیت و سکون بھرتی لیکن یہ آنسو اس کی محبت کا خراج ہیں۔ جو چند روز رفاقت تو ٹھنے کے بعد ہر ایک کی آنکھوں سے نکل پڑتے ہیں اور دل کی گھری محبت کی ترجیحی کرتے ہیں۔ اس عظیم انسان کی زندگی اور موت کا مختصر ترین سفر ایک لا زوال منزل تک رسائی حاصل کر کے ختم ہو چکا ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے اس دنیا کے مردہ خانے سے نکل کر ہمیشہ کی زندگی کو حاصل کر لیا ہے اور زندہ جاوید بن چکا ہے۔

اللَّهُمَّ أَجِرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں ہماری مصیبت میں اجر سے نواز دے اور اس کے پیچھے اس سے بھی بہتر چیز سے مدد فرم۔

شہید بھائی کی جدائی ہمارے لئے ایک نقصان ہے، مگر بالآخر ہر جاندار نے ایک دن اس دنیا سے جانا ہے۔

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ، ہر مزدور کو اجرت لینے کے لئے مالک کے پاس جانا ہوتا ہے، ہر تھکے ہارے مسافر کو شب لمیرا کرنا ہوتا ہے، ہر ذہنی روح کو اپنی روح جسم کے پنجھرے سے آزاد کرنی ہوتی ہے اور ہر مقبول مجاہد کو شہادت کی لیلی سے نکاح کرنا ہوتا ہے۔ اور مجاہد بھائی کی زندگی کا اختتام بہادرانہ شہادت پر ہو گیا۔ وہ اپنا کام اور مشن پیچھے والوں کے سپرد کر کے آرام کرنے اور اجر پانے کے لئے رخصت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی شہادت کو قبول فرماء کر ہم سب کے لئے ذریعہ نجات بنائیں۔

## شہید لاٹریری

وَاللَّهُمَّ

مُوہَّرَہ کو رَحْمَہ (جولائی)

پاکستان

محمد اکرم

18 مئی 2007ء پروز جمعہ، 30 ربیع الثانی 1428ھ



اللهم اعزنا في الدنيا والآخرة

تأليف:

**مولانا محمد حابد عزیز**

فاضل و فناق المدارس العربية پاکستان

حکایتِ مجموعی کتابی شکل میں ہے جس میں: \*

- \* علم کی عظمت،
- \* طلبہ کرام اور ان کے خدوخال،
- \* علم کے ساتھ تربیت کی ضرورت اور اس کے علاوہ مٹاں خیال عظام،
- \* اکابرین علمائے کرام کی سیکنڑوں تجربہ کی بتائیں جن سے اہل علم کی زندگی کو جلانے لگے تیس (30) دراگینز میانات جن کے لفظ لفظ سے درعیاں ہے۔

ناشر:

**مکتبہ حلیمیہ**

سماشیط ایریا گلپچی

## انفانتن پر میری چین سے قبل ماعمر حبہ حشدا اپنی قوم کے خلاف

### امیر المؤمنین نے فرمایا:

میرب بات ہے کہ میں نہ حواس باختہ ہوتا ہوں اور نہ اسی بے دینوں کے ساتھ اسلام کے خلاف راستہ اختیار کرتا ہوں۔ باو جو دیکھے میرا اقتدار بھی خطرے میں ہے، میری سربراہی اور کرسی بھی خطرے میں ہے۔ اگر میں کافروں کے مطابق پر ایسی راہ اختیار کر لوں جو اسلام کے خلاف ہو، ان کے ساتھ موافقت کروں اور ان کے ساتھ معاملات صحیک رکھوں تو میری ہر چیز میں حکم ہو گئی، میری باو شاہی اور سلطنت بھی برقرار رہے گی اور اسی طرح طاقت پیسے اور جادہ و جہاں بھی خوب ہو گا، جس طرح دیکھ دیاں کے سربراہوں کا ہے۔ لیکن میں اسلام کی خاطر ہر قربانی کے لئے حاضر ہوں، سب کو کہ کرنے کے لئے حاضر ہوں، جان قربان کرتا ہوں، سب کو کہ سے بے پرواہ ہو چکا ہوں۔ سلطنت، اقتدار، طاقت اور ہر چیز کی قربانی کا عزم کر چکا ہوں۔ اسلامی فیرت کرتا ہوں۔ اسلام پر فخر کرتا ہوں۔ اس پاک دل پر فیرت کرتا ہوں۔  
(”مہین نے کالبا مسٹھ جیکھا“)